1472

مغلوں کا مدوجزر

از

خواجہ محمد شفیع صاحب

مکتبہ جامعہ
دہلی - نئی دہلی - لاہور - لکھنؤ

مطبوعہ جیّد برقی پریس دہلی

قیمت ۶/   ۱۹۳۹ء   طبع اول ۲۰۰۰

دیباچہ

قوم کی ترقی تیغ و تبر، تیر و تفنگ سے نہیں بلکہ شجاعت، اچھے عادات اور صحیح رجحانات سے ہوتی ہے۔

قوم کے زوال کا اصل باعث سیرت کا خراب ہوجانا ہے، مادی اسباب فروعات میں سے ہیں۔ دنیا میں کیرکٹر حکومت کرتا ہے تلوار نہیں۔

اخلاق قوم کو برسر اقتدار لاتا ہے تہذیب و تمدن نہیں۔

تمدن اور دولت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دولت طبائع کو سہل انگاری، تن آسانی اور عیش پرستی کی طرف مائل کرتی ہے۔ جنگ اقتدار میں جفاکش، مشقت کی خوگر، راست باز اور شجاع اقوام کامیاب ہوتی ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ تاج سروری آبلہ پا سپاہیوں کی ٹھوکروں میں پڑا رہتا ہے۔

سرکف جانبازوں کے سامنے تاجدار ایک بار نہیں ہزار بار سرنگوں دیکھے گئے ہیں۔

عروس سلطنت تیغ بدست سپاہی سے ہم کنار ہوتی ہے اور عیش پرست تاجدار سے کنارہ کش۔

حکومت کی دیوی اکثر سرشار بادۂ سروری کو پھولوں کی سیجوں پر سوتا چھوڑ میدانِ جنگ میں زخمی سپاہیوں سے سازباز کرتی دیکھی گئی ہے۔

مغلوں کے کیرکٹر میں کیا خصائص تھے جو انھیں برسر اقتدار لائے اور بعد میں ان میں کیا خرابیاں پیدا ہوگئیں جو باعث زوال ہوئیں۔

کیا محض ہندوستان کی آب و ہوا، یہاں کی فضا اور اس ملک کی دولت کو مطعون کرنا حق بجانب ہے۔ کیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ نسل بعض جراثیم وسط ایشیا سے اپنے ساتھ لائی جو امتداد زمانہ اور طبیعت میں طاقت مدافعت کم ہوجانے کی وجہ سے مرض مہلک بن گئے۔

اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ مغل تاریخ کی مثالوں سے ان حقائق کو واضح کیا جائے۔

۱۶ اپریل ۱۹۲۹ء — خواجہ محمد شفیع

ماخذ

۱ ۔ ملفوظاتِ تیموری ۔
۲ ۔ توزوکِ تیموری ۔
۳ ۔ تاریخ رشیدی ۔
۴ ۔ سفرنامہ مارکو پولو ۔
۵ ۔ سفارت خانہ کلیویجو ۔

شب تار ہے اور ہر طرف تاریکی، روشنی کا نام و نشان تک نہیں، کالی رات بادلوں کے کالے کمبل اوڑھے دنیا پر چھائی ہے۔ کبھی کبھی بجلی چمک جاتی ہے اور راہ گیر دو قدم راستہ دیکھ لیتے ہیں۔ اس وقت چند مسافر وادیوں اور پہاڑوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں، برق کی چشمک زنی پر چشم امید لگائے چلے جا رہے ہیں۔ چشم زدن کو اجالا ہوا، راستہ نظر آیا اور پھر اندھیرا چھا گیا۔ راستہ ٹٹولتے، قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے، راہ بھولتے، پھر ڈگر پر آتے، اٹکل کے تیر تکے لگاتے چلے جاتے ہیں۔ جو بھاگ چلتا ہے، پھسل پڑتا ہے، آہستہ خرام چند گام آگے نکل جاتا ہے۔ منزل مقصود سب کی ایک ہے پر راہیں الگ الگ۔

کہیں پیش رفتگان کے نقش پا پر نظر پڑی، دل کو ڈھارس بندھی۔ قدم پر قدم رکھنا تھا کہ پاؤں پھنس کر رہ گئے۔ صراط مستقیم سے پیر ڈگمگایا اور

دلدل میں گیا، صراطِ مستقیم لاپتہ وناپیدا۔ دلدل کچھ اس قیامت کی ہے کہ اس سے رہائی معلوم۔ پر اللہ رے ہمت اس کیچڑ میں بھی گوہرِ مقصود کی تلاش ہاتھ سے نہیں دیتے اور ہاتھ پیر مارے جاتے ہیں۔

بوادی کہ دراں خضر را عصا خفت است　　بسینہ می سپرم رہ اگرچہ پا خفت است

سب کی منزل ایک ہے پر راہیں الگ الگ، طریق جدا جدا۔ دل میں تجسس، دماغوں پر ایک کیف طاری، آنکھیں روشنی کی متلاشی، دل اندھیرے سے گھبراتا ہے، دماغ شمع ہدایت روشن کرتا ہے، ہوا کا ایک جھونکا آتا ہے، شمع بجھاتا ہے اور پھر وہی اندھیرا چھا جاتا ہے۔

سنو کچھ آواز آرہی ہے۔

آواز: نہ ہستی تھی نہ غیر ہستی، نہ فضا تھی نہ اس پر آسمان، کونسی چیز سب کو محیط کئے تھے، وہ کہاں تھی، کیا صرف پانی کی نامعلوم تاریک گہرائیاں اور ناپیداکنار وسعت تھی۔

کس کو معلوم، کون بتا سکتا ہے یہ دنیا کس چیز سے اور کیوں کر پیدا ہوئی، ہستی حقیقی اس سے پہلے تھی یا نہیں۔ کون جانے یہ دنیا کس چیز سے اور کیوں کر عالم وجود میں آئی۔

کس شے سے دنیا پیدا ہوئی۔ مخلوق ہے یا اس کا کوئی خالق نہیں۔

وہ ہی جانتا ہے جو آسمان پر سے حکومت کر رہا ہے، سب کچھ دیکھنے والا مالک حقیقی، یا وہ بھی نہیں جانتا۔ (رگ وید)

اس آواز نے مسافروں کو چونکا دیا، پست ہمت کمر بستہ ہو گئے۔ ہوا سرسرائی، بادل پھٹے، آسمان پر ایک تارا نمودار ہوا۔ چشم تلاش اس پر جم کر رہ گئی، دل نے کہا یہ ہی ہے۔ اتنے میں ماہتاب بہ آب و تاب نمودار ہوا، آنکھیں خیرہ ہو گئیں، ستاروں کا رنگ پھیکا پڑ گیا اور کچھ نظروں سے غائب ہو گئے۔ دل نے کہا چھپ جانے والا ہمارا خدا نہیں ہو سکتا اور قلب پرستار ستاروں کا دامن چھوڑ ماہ کامل کے سامنے سربسجود ہوا۔ تاج دار مشرق نکلا اور چاند ماند پڑ گیا۔ دل نے کہا یہ سب سے بڑا ہے، بیشک یہ ہمارا رب ہے۔ رات نے سورج کو مات دی اور پھر بساطِ انجم آسمان پہ تھی۔ طبع متجسس زچ ہو گئی اور کہا اگر نہ ہدایت کرے مجھ کو میرا رب میں ہو جاؤں گا بھٹکے ہوؤں میں سے۔ (قرآن مجید)

قلب خدا پرست نے کہا میں کس کو سجدہ کروں۔ من بولا کس کے چرن لوں۔ ہردے نے کہا کس کے مندر پہ بھینٹ چڑھاؤں۔

اول اول سنہری روشنی *Hiranyagarbha* پیدا ہوئی اور وہ موجودات کا واحد خالق تھا۔ اس نے آسمان و زمین پیدا کیا۔

میں کس مندر پر بھینٹ چڑھاؤں۔

وہ جو زندگی بخشتا ہے، جو قدرت عطا فرماتا ہے، چاند اور سورج جس کے مطیع ہیں جو فانی اور غیر فانی ہر شے میں ساری و جاری ہے میں کس کے آگے سر ٹیکوں۔

دل کے اس سوال پر عقل سلیم نے جواب دیا۔

وحدانیت | اوپر جا پتی تو ہی اس کارخانۂ عالم کے بندھن کو باندھے ہوئے ہے۔

عقلاء اس واحد ہستی کو مختلف ناموں سے پکارتے ہیں، اگنی، یا ما، ماتا سورن۔ (رگ وید)

وہ نفس واحد غیر متنفس طریقے پر موجود تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ (رگ وید)

اندریں خانہ چراغیست کہ از پرتو او   ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

یہ تمام مسافر اس سوال و جواب کے گورکھ دھندے میں غلطاں و پیچاں ایک دریا کے کنارے جا نکلے۔ گیان کی اگنی سلگا کنڈل بنا اس کے گرد ہو بیٹھے۔

کچھ دیر نہ گذری تھی کہ ایک آواز آئی۔

آواز: یہ سارا سنسار کیوں کر بنا؟

ہندو فلسفہ | کنڈل میں سے ایک شخص اٹھا اور بولا: ایشور نے جب چاہا پانی، آگ اور ہوا سے یہ سنسار بنا کھڑا کیا، اور جب چاہتا ہے اس کو نیست و نابود کر دیتا ہے اور پھر تمام چیزیں آگ، پانی اور ہوا میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

دوسرا بولا: ایشور بنا کر بگاڑتا کیوں ہے؟

پہلا سادھو جس نے یہ سلسلہ شروع کیا تھا بولا: ایشور جب دنیا والوں کو چین دینا چاہتا ہے تو اس کشمکش کے کارخانے کو مٹا دیتا ہے۔

اس گروہ میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: کام کے لئے خواہش ضروری ہے اور خواہش انسان سے متعلق اور ایشور اس سے بالاتر ہے۔

دوسرے نے جواب دیا: بیشک اِچّھا (خواہش) ایشور کا کام نہیں۔ یہ سنسار ایشور نے اچّھا سے نہیں بنایا۔ یہ تو اس کی لیلا ہے۔ ایشور آنند میں ناچ رہے تھے۔ اس کیفیت میں کوئی حرکت ایسی ہوئی کہ یہ دنیا بن گئی، پھر کسی وقت بیک جنبش ابرو یہ سب درہم برہم ہو جائے گی اور پھر اسی طرح بن جائے گی۔ یہ سب ان کی لیلا ہے۔

اس محفل میں ایک اور عقل مند کھڑا ہوا اور بولا: سب مادہ ہی مادہ ہے جو شکل چاہتا ہے اختیار کر لیتا ہے۔ ایشور کو اس میں کچھ دخل نہیں۔

دوسرے نے جواب دیا: اس نظام عالم کو چلانے کے واسطے کوئی منتظم ہونا چاہئے۔

ایک بولا: ایشور عناصر میں تشکیل کی خواہش پیدا کر الگ ہو جاتا ہے اور باقی تمام کام برہمو کے حوالے کر دیتا ہے۔ ایشور نے سنسار کسی ذاتی مطلب سے نہیں پیدا کیا بلکہ سب کی بہتری کے لئے بنایا ہے حتیٰ کہ غم و رنج بھی مکتی کا راستہ دکھاتے ہیں۔

چارواک | ایک مست مادہ پرست کھڑا ہوا اور کہا: دنیا سے کیا ہے جانا کھانا پینا اور مرجانا۔ دنیا ہی دنیا ہے نہ اس سے پہلے کچھ تھا نہ اس کے بعد کچھ ہے، مادہ ہے جو شکلیں بدل رہا ہے۔ کھاؤ پیو اور مزے کرو نہ عقبیٰ ہے نہ عقوبت۔ ایشور اور سارے دیوتا برہمنوں کے من گھڑت ہیں جو دنیا کو بیوقوف بنا کر اپنے حلوے مانڈے کی فکر میں ہیں۔ حقیقت میں چار عناصر لافانی ہیں۔ دھرتی، پانی، اگنی اور پون اور انھی کے ارتباط سے عقل پیدا ہوتی ہے۔ روح اور جسم ایک ہی ہیں الگ الگ نہیں۔

جب تک دم میں دم ہے مزے اڑاؤ۔ موت کے چنگل سے رستکاری

نہیں۔ جب ہمارا جسم نذرِ آتش کردیں گے تو واپس کہاں سے آئے گا۔

لذات ترک کردیں کہ ان میں رنج کی آمیزش ہے۔ یہ بیوقوفوں کا مسلک ہے۔ کونسا دانا چاول پھینک دے گا کہ اس کے ساتھ بھس بھی ہے۔

نہ سرگ ہے نہ مکتی نہ دوسری دنیا نہ اعمال کی جزا و سزا۔ اگنی ہوتر اور تینوں وید جاہلوں اور نامردوں کا سہارا ہیں۔

اگر یوتش تومہ پر جو جانور بھینٹ چڑھایا جائے وہ سیدھا بکینڈ کو چلا جاتا ہے تو اپنے باپوں کو کیوں نہیں قربان کرتے۔ ان کی مکتی ہو جائے گی۔

جب تک سانس ہے عیش و عشرت میں بسر کرو۔ گھی کھاؤ چاہے قرض لے کر ہی کھاؤ۔

فلاسفۂ یونان | اب یونان کے فلاسفر کی باری آئی۔ ان کا نمائندہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: دنیا آگ، پانی اور ہوا سے بنی ہے۔

اس کا ایک اور ہم وطن اٹھا اور بولا: دنیا ایٹمز سے بنی ہے اور ایٹمز تمام و کمال ایک قسم کے ہوتے ہیں۔

دوسرا بولا: دنیا ایٹمز سے ضرور بنی ہے، پر وہ سب ایک قسم کے نہیں ہوتے۔

یونان کے تمام فلاسفہ اس پر متفق تھے کہ دنیا خود بنی ہے۔ اس کا

بنانے والا کوئی نہیں۔

مثل افلاطونیہ | اب افلاطون نے جلسے کو مخاطب کیا اور کہا : ایک دنیائے مجاز ہے ایک عالم مثال۔ آخر الذکر کون و مکاں سے مستغنی ہے۔ دنیائے مجاز کا عرفان تجربے اور احساسات سے ہوتا ہے۔ عالم حقیقت میں ہر شے بحد کمال موجود ہے۔ عالم مجاز اس حقیقت کا پرتو ہے نامکمل اور ناقص۔

اسلام | ایک بزرگ کھڑے ہوئے اور کہا : وہ ذات واحد اول و آخر ہے جس نے کُن (ہو جا) کہا اور ایک روح دوڑ گئی اور اس عالم اسباب کی تشکیل ہوئی۔

وہ خالق مطلق اپنی مخلوق کی طرف سے بے خبر نہیں۔

سزا و جزا مقرر ہے اور ہدایت کرنے والے من جانب اللہ وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں۔

وہ ذات لایزال بعلم ہر شے پر پرتو فگن ہے۔ کوئی چیز اس سے خالی نہیں۔ دیکھنے کو چشم بصیرت اور عرفان صحیح درکار ہے۔

واقف نہیں ہے تو ہی نوائے راز کا ورنہ یہاں جو پردہ ہے پردہ ہے ساز کا

تصوف | ان بزرگ نے اپنی تقریر ختم کی تھی کہ ایک صوفی صافی منش

کھڑے ہوئے اور کہا ہمہ اوست۔

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

حقیقت وہ ہی ہے اس کے ماسوا سب دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔

مادہ پرست | اب ایک مادہ پرست کھڑا ہوا اور بولا: دنیا ایک کرۂ آتش تھی، آگ کا دہکتا ہوا الاؤ۔ یہ الاؤ صدیوں سلگتا رہا۔ ہر طرف آگ ہی آگ تھی۔ ذرا آنچ دھیمی پڑی اور دوسری طرف سے شعلے دوڑ پڑے۔ آتش افسردہ کو پھر بھڑکا دیا۔ اگنی کا راج تھا آتش کا دور دورہ۔ ایک عرصے تک یہ جلاجل کا بازار گرم رہا اور پھر ابر امنڈ آئے، بادل برسے اور دل کھول کر برسے۔ پہلے تو آگ چھینٹا پاکر بھڑک اٹھی، سمندناز پر اک اور تازیانہ ہوا۔ آخرکار ابر بہار نے آتش سوزاں کو افسردہ کر دیا۔ آسمان پر سے در بڑے پڑے، موسلا دھار بارش ہوئی۔ ایک ابر جاتا تھا ایک آتا تھا۔ آگ پر پانی پڑ گیا۔ شعلوں کی گرماگرمی سردمہری سے بدل گئی۔ زبان آتش سرد ہوگئی، آگ بجھ کر رہ گئی۔ مینہہ برسے اور برسوں برسے، زمین تشنہ کام نے پانی پیا اور سیر ہو کر پیا۔

اب ابر کھلا اور سورج کی کرن نمودار ہوئی۔ عالم روشن ہوگیا۔ چشم بینا نے دیکھا تو کہیں پستیاں تھیں کہیں بلندیاں۔ سرِفلک پہاڑوں کے پہلو

میں وادیاں پانی سے بھری تھیں جن میں سرافراز خاکی اپنا عکس رخ دیکھ رہے تھے کہ اچانک :-

موت میں حیات پیدا ہوئی اور سکون میں حرکت، بے جان میں جان پڑی۔ پہلا ذرۂ حیات سطح آب پر تیرتا نظر آیا۔ لاکھوں برس یہ ذرہ پرورش پاتا رہا۔ اسی دور میں کچھ عادتیں پیدا کرلیں جو جنگ زیست میں اس کے کام آنے والی تھیں۔ کبھی چشموں اور نہروں کی تاریک گہرائیوں میں روپوش ہو گیا۔ جائے امن پائی جڑ پکڑ لی اور بناتِ آبی بن گیا۔ گاہے یہ خانہ بدوش دوش امواج فنا پر نظر آیا کہ جلی فنش یا فالودہ نما مچھلی بن گیا تھا۔

بنات آبی نے جب نہ آب جگہ نہ پائی تو دامن کوہ کی دلدلیں آباد کیں۔ دن میں دو دفعہ ہم آغوشی آب انھیں سیراب کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ پانی کی مفارقت میں زندگی گذارنے کی عادت پڑ گئی۔ یہ پودے بڑھے اور گلہائے خوش رنگ و خوشبو سے بارور ہوئے۔ بڑی بڑی مکھیوں اور پرندوں نے تیج جہاں نہاں پھیلا دیے۔ دنیا سرسبز ہو گئی۔

کچھ عرصے بعد حیات آبی خشکی کی طرف متوجہ ہوئی اور آہستہ آہستہ پانی اور خشکی دونوں میں زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا کرلی۔ اس قسم کی

مخلوق کا نام Amphibious ہے خشکی کی آب و ہوا کچھ
ایسی راس آئی کہ اکثر نے پر پرزے نکالے، پرندبن گئے اور زمین کی لاانتہا
پیداوار کھا کھا کر موٹے ہونے شروع ہوئے، آخر کار ایک ایسی ہوا چلی کہ
یہ سب فنا ہو گئے۔ خیال ہے کہ اکثر مٹاپے سے پھٹ گئے اور باقی فاقوں
مر گئے۔ بغیر ہاتھ پیر ہلائے پیٹ پلنا ناممکن اور مٹاپا ہلنے نہ دیتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا
کہ یہ مخلوق نیست و نابود ہو گئی۔

آب حیات ایک اور جانور کی جون میں آئی اور اس کا نام
Mammals تھا۔ Mammals اپنے بچوں کی حفاظت اور پرورش
کرتے اور دودھ پلا کر پالتے تھے۔ یہ صنف مفقود نہ ہوئی اور اب تک ہماری
شریک حیات ہے۔

اب وہ زمانہ آتا ہے جب اشرف المخلوقات شرف امتیاز حاصل کرتا ہے
اور بے زبان اور بے ادراک گروہ وحوش سے کترا کر نکل جاتا ہے، عقل
سے کام لیتا، واقعات، حادثات اور مقدرات پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔
یہ انسان کا انسان نما اولین جد امجد ہے، پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہوتا ہے، غول
بنا کر رہتا، خطرے کے وقت مختلف قسم کی بھیانک آوازیں نکالتا ہے۔

رفتہ رفتہ یہی آوازیں مطالب ادا کرنے کے کام آتی ہیں۔ بھدے رنگ کی کھال، بدن پر بال اور اس کا بدہیئت حلیہ ہے، شکار پر گذر ہے، داؤں گھات سے وحوش کو مغلوب کرتا ہے، بحالت مجبوری گھاس پات کھا کر پیٹ بھر لیتا ہے۔

انسان اول ایک بہت بڑی چٹان کے پیچھے درندوں سے چھپا بیٹھا ہے، اطمینان کی جگہ ہے پر کچھ بے چین سا ہے، آنکھوں سے تلاش ظاہر ہے، ابھی کتا نوش جاں کر چکا اور کچھ پس ماندہ بھی ہے، بھوکا تو ہو نہیں سکتا، پانی بھی ڈگڈگا کر پیا ہے۔ پھر وہ کونسی اشتہا ہے جس نے ہر عضو بدن کو مضطرب کر رکھا ہے۔ اسی حالت میں نکلا اور دلدلوں میں ایک درخت پر چشم تلاش وا اور گوش بر آواز جا بیٹھا۔ ایک جانب ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے اور بدن کو سکیڑتا جاتا ہے۔ سامنے ایسی کون سی نظر فریب شے ہے۔ او ہو یہ تو کوئی اس کا ہم جنس ہے وے صنف دیگر۔ یک لخت اس کی طرف جھپٹا، کچھ بہلا پھسلا، کچھ بزور و زبردستی اس چٹان کی طرف لے چلا جہاں خود رہتا ہے، مہمان کی تواضع باقی ماندہ کتے سے کی اور خود اس کی آسایش کی فکر کرنے لگا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے شریک زندگی ہو گئے۔ انسان اول اپنی مادہ اور اولاد کی قوت کی

تدابیر کرنا اور ان کی حفاظت، جان پر کھیل جانا اور ان پر آنچ نہ آنے دینا۔ مادہ گھر پر بچوں کی دیکھ بھال کرتی اور یہ شکار کو نکل جاتا، جو کچھ پاتا بال بچوں میں لاکر کھاتا۔

زندگی بری بھلی گذر رہی تھی۔ جاڑا اور گرمی اپنے مقررہ اوقات پر آتے اور جاتے تھے۔ ہزار ہا گھرانے درختوں کے کھوکھلے تنوں اور چٹانوں کے پیچھے اپنی زندگی بسر کر رہے تھے کہ موسم نے رنگ بدلا۔ گرمی بہت کم عرصہ رہی اور جاڑا شدید پڑا۔ پہاڑوں کی چوٹیاں جو اس موسم میں سرسبز ہو جاتی تھیں برف سے ڈھکی رہیں۔ انسانوں کا ایک گروہ جاڑے پالے سے گھبرا کر پہاڑ کی چوٹیاں چھوڑ میدانوں میں اتر پڑا۔ یہ گروہ بھوکوں کا مارا، فاقہ زدہ نحیف و ناتواں تھا۔ میدان کے باشندوں نے چند روز تو ان ناخواندہ مہمانوں کو برداشت کیا۔ آخر چہ می گوئیاں ہونے لگیں۔ یہاں اپنا پیٹ پالنے کے لالے پڑ رہے تھے، خود میاں منگتے اور باہر کھڑے درویش۔ آخر میدان والے سر جوڑ کر بیٹھے اور اشاروں اشاروں میں قرار پایا کہ ایک دن کا مہمان، دو دن کا مہمان، تیسرے دن کا بلائے جان۔

فرقہ وارانہ جنگ شروع ہوئی اور میدان والوں نے پہاڑیوں کو

مار کر اپنے علاقے سے نکال باہر کیا۔ یہ غریب پہاڑوں پر ٹھٹھر ٹھٹھر کر مر گئے۔ ادھر میدانوں میں راتیں سرد اور طویل ہونے لگیں اور دن چھوٹے۔ خوراک کی قلت، سردی کی شدت، زندگی آفت تھی کہ ایک روز پہاڑوں کی طرف سے ایک چمک دار سی چیز ادھر آتی نظر آئی اور آناً فاناً میں سیلِ فنا کی طرح ہر چیز کو منہدم کرتی آن پہنچی۔ یہ برف کے بڑے بڑے ٹکڑے تھے جو چوٹیوں پر سے لڑھک لڑھک کر آرہے تھے۔ اس آفتِ آسمانی و بلائے ناگہانی سے ہر جان دار جان بچا کر بھاگا۔ چرند و پرند تیز رفتاری سے جنوب کی جانب نکل گئے پَر انسان ضعیف البنیان ان کا ساتھ نہ دے سکا اور پیچھے رہ گیا۔

بھوکوں کا مارا، آفت زدہ تھک کر سر پکڑ سرِ راہ ہو بیٹھا۔ بال بچوں کا ساتھ، مصیبتوں کا سامنا اب کرے تو کیا کرے۔ اس کے ہم جنس سب اس کے پاس آ آ کر جمع ہو گئے، بچوں کو کندھوں پر سے اتارا، عورتوں کو ایک طرف بٹھا مرد مشورت کرنے لگے۔ ایک جفادری گرگ باراں دیدہ انسانِ اول کھڑا ہوا اور ایک سمت کو روانہ دوسروں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اس گروہ میں سے اکثر تو عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے واسطے ٹھہر گئے اور چند اس راہبر کے ساتھ ہو لیے۔ تھوڑی دیر بعد

واپس آئے اور اپنے اپنے بچوں کو کندھوں پر بٹھا بیویوں کے ہاتھ پکڑ سردار کے پیچھے ہو لئے۔ سرغنہ اپنے گردوپیش غور سے دیکھتا جاتا تھا۔ جہاں کہیں کسی جانور کی کھوہ نظر پڑی اس کو نکال باہر کیا اور خود وہاں دخیل ہو گیا۔ اگر کوئی غار بڑا ہوا تو اس میں کئی مل جل کر گذر کرنے لگے۔

ایک روز دو گھرانوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ سارا قبیلہ جمع ہو گیا۔ سوال یہ تھا کہ ایک غار کا رہنے والا دوسرے غار کے رہنے والے سے کہہ رہا تھا کہ میرے بال بچے بہت ہیں اور تیرے متعلقین کم تو میری کھوہ میں آجا جو چھوٹی ہے اور مجھے اپنی کھوہ میں آجانے دے۔ دوسرا کہتا تھا کہ میں پہلے سے رہتا بستا ہوں، میرا حق ہے، تو یہاں آنے والا کون؟ اگر تیرا گذارا اپنی کھوہ میں نہیں ہوتا تو کہیں اور جا کر بڑا غار تلاش کرلے۔

جب بات زیادہ بڑھی اور ہاتھا پائی تک نوبت آئی تو اکثر لوگوں نے بیچ میں پڑ کر بیچ بچاؤ کروا دیا اور مشورہ کرنے لگے کہ آخر کیا کرنا چاہیئے۔ سب نے فیصلہ کیا کہ جو جہاں رہتا ہے وہ اس کی ملکیت ہے اور کسی دوسرے کو مداخلت کا حق نہیں۔ چھوٹے غار والے کی زیادتی ہے اور وہ برسرِ ناحق۔ چھوٹے غار والے نے اپنے استحقاق کے ثبوت میں کہا کہ اگر پہلے سے بسنے والا حق دار ہے تو اس غار کا حق دار ایک

بھیڑیا ہے جس کو خانہ خراب کر کے یہ یہاں بسا ہے۔ بتائیے اس غریب بھیڑیے
کو نکالنے کا اسے کیا حق تھا۔ سب نے جواب دیا کہ اس کو غار کی ضرورت
تھی اور اس میں بھیڑیے کو نکال باہر کرنے کی طاقت بھی تھی۔ چھوٹے غار والے
نے یہ سن کر کہا کہ بعینہ جس طرح آج سے پہلے اس کو یہ غار درکار تھا اور
بھیڑیے کو نکالنے کی طاقت تھی اسی طرح آج مجھے غار کی ضرورت ہے اور
طاقت بھی رکھتا ہوں پس اس غار کا حق دار میں ہوا۔ غرضیکہ بہت چہ میگوئیوں
کے بعد قرار پایا کہ جو پہلے سے مقیم ہے وہی حق دار اور دوسرا برسرِ ناحق اور
اگر دوسرا کسی قسم کی زیادتی کا مرتکب ہوگا تو برادری اس کی سرکوبی کرے گی۔

کچھ دن بعد جب بڑے غار کا رہنے والا تلاشِ معاش کو گیا ہوا تھا چند
لوگ اس کے گھر میں گھس آئے۔ لوٹا کھسوٹا، بال بچوں کو ستایا اور بھاگ
گئے۔ دو چار روز بعد پھر یہی ہوا۔ مجبور ہو کر اس نے برادری کو اکٹھا کیا اور
سارا حال بیان۔ سب نے دریافت کیا کہ تیرا شبہ کس پر ہے۔ اس نے
کہا یہ حرکت اس چھوٹے غار والے کی ہے۔ اس کی ایک عرصے سے میرے
گھر پر نظر ہے۔ میں اکیلا ہوں شکار کو نہ جاؤں تو بال بچے بھوکے پڑے رہیں
اس کا ٹھہرا ٹبّر کا ٹبّر، دو باہر جاتے ہیں دو گھر رہتے ہیں۔ جب میں نہیں
ہوتا موقع پا کر میرے بال بچوں کو پریشان کرتے ہیں۔ ملزم سے جواب طلب

کیا گیا۔ اس نے صاف انکار کیا۔ مظلوم کوئی ثبوت پیش نہ کر سکا۔ غرض کہ سب نے اس کو یہ صلاح دی کہ تو ہے اکیلا یہ ہیں دس، ایک کی دوا دو، دو کی دوا چار، مناسب یہی ہے کہ ضد نہ کر، اس کو بڑا غار دے دے اور خود اس کے غار میں اٹھ آ۔ مرتا کیا نہ کرتا، بے چارہ اپنا بنا بنایا گھر بار چھوڑ بال بچوں کو لے بادل ناخواستہ اس کے غار میں جا پڑا۔

آواز :- جس کی لاٹھی اس کی بھینس، انصاف ایک افسانہ ہے۔

انسانی دماغ کبھی بے کار نہیں رہتا، کچھ نہ کچھ توڑ جوڑ کرتا ہی رہتا ہے۔ عقل انسانی تہذیب اور تمدن کو بتدریج ترقی دیتی گئی۔ اول اول تو کھانے اور رہنے کے مسئلے سے چھٹکارا نہ ملتا تھا۔ جب ادھر سے بے فکری ہوئی تو ایک روز حضرت انسان دریائے نیل کے قریب ایک سرسبز چراگاہ میں بیٹھے تھے کہ ایک طرف سے گھنگھور گھٹا اٹھی۔ طبیعت حاضر تھی بے ساختہ منہ سے نکلا :-

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟ ابر کیا چیز ہے؟ ہوا کیا ہے؟

اس تجسس میں کچھ ایسا مزا پایا کہ ہر کس و ناکس سے دریافت کرتا پھرا۔ جنھوں نے اس کا جواب دیا وہ مولوی، پنڈت اور پادری کہلائے۔ قوی الجثہ، سریع التدبیر سردار بن گئے، اہل الرائے مذہبی پیشوا۔

حکومت اور مذہب ہم عناں رہے اور عوام پر سوار۔ حکومت نے زر و زمین پر تسلط جمایا، مذہب نے دل و دماغ پر قابو پایا۔ سرداروں نے سلطنت کی بنا ڈالی، مولوی اور پنڈتوں نے معبدوں کی۔ عوام ایک کے غلام اور دوسرے کے بندے بن کر رہ گئے۔

خوش نما شہر ہے بڑے بڑے محل۔ آفتاب۔ آفتاب سر کوہ ہے اور ہر طرف چہل پہل۔ کوچہ و بازار میں لوگ بنے سنورے پھر رہے ہیں عشق و حسن کی گرم بازاری ہے، ہر برنا و پیر کی کمر میں مرصع تلوار لٹک رہی ہے، پر بے کار برائے زینت۔

آئیے اس قمار خانے کی سیر کریں۔ پانسہ پھینک رہا ہے، داؤں پر داؤں لگ رہا ہے۔ کوئی جھولی بھر کر اٹھا، کوئی ہاتھ جھاڑ کر۔ جس کی مٹھی گرم دیکھی اس کے ساتھ دس اور بھی ہو لئے۔ جو ہاتھ خالی چلا وہ اکیلا چلا، ہمدم کترا گئے، ہمنشیں کنّی بچا گئے۔

روپے کا ہیر پھیر ہو رہا تھا بے وفا دولت کبھی اس کے پاس جاتی تھی، کبھی اس کو جھلک دکھاتی تھی۔ چلتی پھرتی چھاؤں تھی جسے قرار نہ تھا، گاہ مفارقت اسے بے قرار کرتی گاہ مواصلت اسے بے قابو۔ محفل کی

حالت تھی کہ ایک شخص باہر سے آیا اور کہا " میں دور سے آرہا ہوں چنگیز خاں قریب آن پہنچا ہے' اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔"

ایک کال جواری بولا:۔

"جو دل قمار خانے میں بتے لگا چکے — وہ کعبتین چھوڑ کے کعبے کو جا چکے

چنگیز خاں وحشی جنگلی ہم سے بازی نہیں جیت سکتا۔ میں جاں بازی لگاتا ہوں کوئی ہے جو میرا حریف ہو۔"

کہنے والا کہتا چلا گیا' پر سننے والوں کے کان پر جوں نہ چلی قمار خانے کا رنگ بدستور قائم ہے۔

یہاں تو جواریوں' ڈھنڈاریوں کا مجمع ہے' آئیے کہیں اور چلیں۔ سامنے اس شہر کے ملک الشعراء کا محل ہے' دیکھیں وہاں کیا ہو رہا ہے۔ بزم شعر و سخن آراستہ ہے' سخن فہم و سخن شناس جمع۔ ایک ایک شعر سو سو بار پڑھوایا جا رہا ہے اور داد پر داد مل رہی ہے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا "چنگیز خاں قریب آن پہنچا ہے۔ بادۂ سخن کے متوالو چیتو۔ نظم نثر سے مبدل ہوا چاہتا ہے۔"

ملک الشعراء نے جواب دیا "چشم ما بیدار ایں خواب پریشاں دیدہ است۔ دنیا میں تہذیب و تمدن کو برتری ہے۔ چنگیز خاں وحشی غیر متمدن ہمارے

مقابلے پر نہیں آسکتا۔ صاحبو! کل ایک قطعہ فی البدیہہ ہو گیا اگر اجازت ہو تو عرض کروں"۔ سب متوجہ ہو کر بیٹھ گئے اور اکثر نے کہا "ارشاد، ہم ہمہ تن گوش ہیں"

ملک الشعراء نے بیاض طلب کی اور کہا "ثریا کو اطلاع کر دو کہ جو گوشوارہ کل پہنے تھی پہن کر حاضر ہو"۔ ایک طرف سے بیاض زرنگار تکیے پر لائی گئی دوسری جانب سے ثریا عقد ثریا کو ٹھکراتی آئی۔

ملک الشعراء نے کہا "صاحبان! اس قطعے کے القا ہونے کی وجہ یہ ہیرے کے بُندے ہیں جو زلف سیاہ میں سے دلوں پر بجلیاں گرا رہے ہیں"۔ اس تمہید کے بعد یہ قطعہ نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھا:۔

زلفِ سیہ میں ظالم ہیرے کے تیرے بُندے — تاریک رات میں دو تارے چمک رہے ہیں
یا ناگنیں ہیں دو دو اور رات ہے اندھیری — اور دونوں ناگنوں کے دو من دمک رہے ہیں
یا ساحرانِ بابل اترے تھے جو فلک سے — عشقِ بتاں میں دونوں الٹے لٹک رہے ہیں

ہر شعر، ہر تشبیہہ اور ہر استعارے پر داد ملی، محفل گونج اٹھی۔

شاعر تو اچھا ہے پر ملک اور قوم کی ضرورت سے بے خبر۔ آؤ کہیں اور چلیں۔ عماد الدولہ اعتماد السلطنت وزیر الملک بہادر کے ہاں چلیں۔

دروازے پر دربان خوش گپیاں کر رہے ہیں۔ ایک طرف چوسر بچھی ہے ایک جانب گنجفہ ہو رہا ہے۔ کسی کے پو بارہ ہیں، کسی کا داؤں خالی گیا۔ اندر بھی

یہی رنگ ہے، سارا محل عشرت کدہ بنا ہے۔ ایک شخص بیٹھا بیلا بجا رہا ہے
اس کے گرد تمام ملازمین جمع۔ کوئی جھوم رہا ہے کوئی تال دے رہا ہے۔
ایک بال بکھیرے حالت وجد میں ہے۔ شاید وزیر الملک صاحب گھر میں
ہی نہیں جو نوکروں کی بن آئی ہے۔ رنگ رلیاں منا رہے ہیں۔

ایک شخص باہر سے آیا اور کہا "چنگیز خاں سر پر آن پہنچا اور تم
بے خبر ہو۔"

خدام میں سے ایک نے جواب دیا "ہم کو تو ہاتھ پیر چلانے اور
پیٹ پالنا، اب تک ان کی جوتیاں سیدھی کیں اب چنگیز اور اس کے سرداروں
کی خدمت کریں گے۔ ما را چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت۔ جاؤ وزیر الملک
بہادر سے کہو جن کی پانچوں گھی میں ہیں وہ اس وقت شاہ کج کلاہ کے
محل میں شریک جشن ہیں۔

آواز:۔ ملک اور قوم کا جب ادبار آتا ہے افراد میں قوم کی جانب سے ایک
عام بے تعلقی پیدا ہو جاتی ہے اور نمک حرامی ہر کہ ومہ کے خون میں سرایت
کر جاتی ہے۔

قصرِ شاہی پری خانہ بنا ہے، حسینان ہفت اقلیم جمع۔ بزم عیش آراستہ
ہے، جام مے گردش میں ہے، رقاصہ مشغول رقص۔ وزیر با تدبیر گم کردہ ہوش،

ہر تاجدار گدائے حسن ہے۔

محفل پر یہ کیفیت طاری تھی کہ منادی کرنے والا آیا اور بہ آواز بلند کہا "او عیش و طرب کے متوالو، چنگیز خاں آن پہنچا"۔ شاہ وقت بندۂ عیش و نشاط اس آواز سے کبیدہ خاطر ہو گیا اور کہا "ہم کو اس سے کیا سروکار، سپہ سالار کو اطلاع کرو"۔ اور پھر جھوم کر کہا "ہاں" ع مطرب خوش نواںگو تازہ بتازہ نو بنو۔ وہ غزل گاؤ جس کا مطلع ہے :-

بے دو سالہ و معشوق چار دہ سالہ   ہمیں بس است مرا صحبت صغیر و کبیر"

وزیر سے چنیں شہریار۔ چناں جس رنگ میں راجہ اسی میں پرجا۔ سپہ سالار بھی کہیں کسی بت لشکر شکن کی زلف پرشکن میں گرفتار پڑے ہوں گے۔

آؤ دیکھیں چنگیز خاں اور اس کے ساتھی کیا کر رہے ہیں۔ سپہ اور سپہ سالار، قبیلے اور قبیلے کا سردار اپنے اپنے ہتھیار تیز کر رہے ہیں۔

یہ شخص ہاتھ پر ہاتھ دھرے کیوں بیٹھا ہے کیا شریک جنگ نہیں ہو گا۔ پھر تیاری کیوں نہیں کرتا۔ کچھ مایوس، افسردہ خاطر سا ہے۔ مغل اور مایوس۔ یہ قوم تو اس لفظ سے آشنا نہیں۔ وہ کیا چیز ہے جس نے سرفراز قوم کے فرد کو سرنگوں کر رکھا ہے۔ ایک اور شخص ڈیرے میں آیا۔

آنے والا :- خالی کیوں بیٹھے ہو کل کے لئے تیاری کیوں نہیں کرتے ؟
مالک خانہ :- میں تیار ہوں۔
آنے والا :- ہتھیار کہاں ہیں ؟

ہتھیار کا نام آتے ہی دل پر ایک انی سی لگی اور مغل مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ آنے والا واپس چلا گیا۔ ایک زرہ اور ایک تلوار لا سامنے رکھ دی اور کہا "بس یہی دو چیزیں میرے پاس ہیں۔ ان میں سے جو چاہو سو لے لو" عجب کشمکش کا وقت ہے۔ زرہ صرف مدافعت کر سکتی ہے۔ تلوار مدافعت اور محاربت دونوں کام کی ہے۔ اگر زرہ اٹھاتا ہے تو بزدل کہلاتا ہے کہ پہلے حفاظت کی سوجھی۔ تلوار پر ہاتھ ڈالتا ہے تو محسن دوست نقصان میں رہتا ہے۔ چپ کھڑا ہے۔ مغل کو مغل سمجھتا ہے۔ آنے والا تاڑ گیا، جیب سے ایک سکہ نکالا اور قرعہ اندازی کر لی۔ جو جس کی قسمت میں آیا اس نے وہ اٹھا لیا۔

اس ڈیرے میں خاصی بھیڑ ہے۔ دیکھیں یہاں کیا ہو رہا ہے۔ بیچ میں ایک بھائی بیٹھا ہے اور بھائی برادر اسے گھیرے بیٹھے ہیں۔ لہک لہک کر بالحن داؤدی رجز پڑھ رہا ہے۔ بہادروں کو بہادری کے افسانے سنا رہا ہے۔ شجاعت کے دفتر کھولے بیٹھا ہے۔ سنو کیا کہتا ہے ؎

من نہ آں باشم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من
آں منم کندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

موت سے بزدل ڈرتے ہیں۔ میری موت میری محافظ ہے۔ بہادری اور نیک نامی کے ساتھ مرنا ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔ جس وقت "تلوار" انسانوں کے سر اس طرح کاٹے جس طرح کسان پکی ہوئی کھیتی، چست و چالاک گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھا ہوا غبار ابرِ سیہ کی طرح ہمارے سروں پر چھایا ہو، اس وقت میری تلوار گرنے والی بجلی کی مانند کوندتی اور خون کا مینہ برساتی ہے، میدانِ جنگ کو لالہ زار بناتی ہے۔ میں کسان ہوں انسانی سروں کی کاشت کرنے والا۔ اپنی فصل کو خون سے سینچتا اور ہڈیوں کی کھات دیتا ہوں۔ میری تیغ آبدار زاغ و زغن کی اَن داتا ہے، جدھر اس کی چشمک پاتے ہیں غول در غول چلے آتے ہیں۔

ہم مغل ہیں۔ دنیا کی تمام اقوام پر برتری رکھتے ہیں۔ کون ہے جو ہماری ہم سری کر سکے۔ ہماری پیدائش معجزہ ہے، الان، کوا، کرک لوک (Alan, Kua, Kark luk) (پاک دامن)، ہماری ماں ہے پاک دامن جس کو کسی مرد نے کبھی نہیں چھوا۔ ایک رات اس کے منہ میں روشنی نظر آئی اور پھر جسم میں روح سی محسوس ہوئی۔ اس کے بطن سے برخوردار پیدا ہوا۔

ہم کو سب پر تفوق ہے۔ ہمارے پاؤں ہیں اور بلندیاں۔ ہماری تلوار ہے اور دشمنوں کے سر۔ ہماری میراث میں سربلندی ہے۔ ہم کو پائندگی ہے۔ تلوار ہمارے ہاتھ میں ہے اور تاج ہماری ٹھوکروں میں۔

آواز:۔ سنی وحشی ترقی کرنے والی قوم کی شاعری۔ مقابلہ کرو متمدن زوال پذیر قوم کے کلام سے۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

دیکھیں چنگیز خاں کیا کر رہا ہے۔ ڈیرہ تو خالی پڑا ہے۔ کہاں چلا گیا؟ سامنے ایک پتھر پر بیٹھا ہے۔ چہرے سے جاہ و جلال، تدبر اور شجاعت آشکار۔ زمین پر لکیریں کھینچ رہا ہے۔ ایک مٹاتا ہے دوسری بناتا ہے۔ بار بار کوہ التائی کی طرف دیکھتا جاتا ہے اور مونچھوں پر اضطراری طور پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔ مدبر شیر اپنے شکار کو دیکھ رہا ہے اور چالیں سوچ رہا ہے۔

ایک جانب عورتیں کھانے کے انتظام میں مصروف ہیں۔ ایسی چیزیں تیار کر رہی ہیں جو بہ آسانی میدان جنگ میں پہنچائی جاسکیں۔ مرد گھوڑوں کی مالش کر رہے ہیں، عورتیں ان کے دانے چارے کی فکر۔

تمام انتظامات ہو چکے، سردار احکامات دے چکا۔ سب اپنے اپنے ڈیروں میں چلے گئے۔ ایک نوجوان دن بھر کی محنت مشقت سے شل خیمے میں آیا۔ گھروالی انتظار میں بیٹھی تھی، دیکھ کر باچھیں کھل گئیں۔

پانی لے کر دوڑی منہ ہاتھ دھلایا۔ کھانا سامنے لا کر رکھا۔ پروانے کی طرح
اس کے گرد پھر رہی ہے۔ اس نے شریک ہونے کو کہا۔ ایک جانب سے
خود بھی کھانے لگی۔ محبت بھری نظروں سے دیکھتی جاتی ہے، چاہتی ہے
وہ اچھا کھائے اور خود برا۔ ہر نوالے پر نظر ہے۔ نظریں دیکھ رہی ہے۔
مرد کو اپنے کام سے کام ہے۔ کھانا کھا ہاتھ دھو چمڑے کے بستر پر لیٹ
رہا یہ قریب جا بیٹھی آہستہ آہستہ پیر دبانے لگی۔ نظریں بچا بچا کر دیکھتی
جاتی ہے۔ جانتی ہے کہ کل اس کا بہادر میدان مار کر آئے گا یا میدان
میں مارا جائے گا۔ ہزار ہا وسواس دل میں آ رہے ہیں۔ آنکھوں ہی آنکھوں
میں سر سے پاؤں تک بلائیں لے رہی ہے۔ دل باتیں کرنے کو چاہتا
ہے پر سلسلہ گفتگو خود چھیڑنا اس کی طینت کے خلاف۔ اپنے کو اس کے
آرام اور مرضی پر قربان کرنا اس کے خمیر میں ہے۔ اگر مرد بات کرے گا،
تو جواب دے گی ورنہ دل کو مسوس کر پڑ رہے گی۔

سب پیر پھیلائے سو رہے ہیں۔ پر چنگیز خاں کی آنکھوں میں نیند کا نام
نہیں۔ سردار ہے قبیلوں کا ذمہ دار ہے۔ گوناگوں افکار میں گرفتار۔ حملے
کی شکلیں سوچ رہا ہے۔ نتیجے پر نظر ہے ایک مستحکم جماعت سے تصادم
ہے اور یہ مٹھی بھر جوان، پر جفاکش، محنت کے عادی۔ مصائب کے خوگر۔

ہر سپاہی پیل مست شیر نر۔

صبح ہوتے ہوتے شیر بھیڑوں پر جا پڑے میدان اپنے ہاتھ تھا وحشی فتح یاب تھے اور متمدن ہزیمت خوردہ۔

آواز:۔ خیمہ و بارگاہ۔ قلعہ و دمدمہ حکومت نہیں کرتے۔ حکومت کا راز شجاعت، صداقت اور یگانگی میں مضمر ہے۔

آواز:۔ حکومت اور دولت نے اپنا رنگ جمایا۔ چمڑے اور نمدے کے ڈیرے چھولداریاں چھوڑ محل اور محل سرائوں میں جا بسے۔ سیر و شکار کے ہمیشہ سے دل دادہ تھے۔ اب فراغت بھی پائی، فراخی بھی، طبیعت نے رنگ جمایا دل کھول کر دل کی نکالی۔

ایسان بوغا خان گیا ہوا ہے۔ دیکھیں محل میں کیا ہو رہا ہے۔ سیتل میش خاتون حرم و حرم سرا کی مالک و مختار خان کی چہیتی بیوی ایک کمرے میں بیٹھی آپ ہی آپ باتیں کر رہی ہے۔ میرا حق مان لیک غصب کرنا چاہتی ہے۔ بیوقوف شیرنی کے مقابل آتی ہے۔ اپنی تدبیروں میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ میں اس کی امیدوں پر پانی پھیر دوں گی آرزوئیں خاک میں ملا دوں گی۔ خان کے ہاں اولاد اگر ہو گی تو مجھ سے ہو گی مان لیک

عاملہ ہے ہوا کرے۔ ابھی موقع ہے یہ معاملہ ظاہر نہیں ہوا ہے، ہمت اور تدبیر سے کام لیا جائے تو کام بن جائے گا۔ دُختوئی شراول عنقریب دور و دراز جانے والا ہے۔ اگر اِس مارِ آستین کو اُس کے گلے باندھ دوں تو ہمیشہ کے واسطے اس ناگن سے میدان صاف ہو جائے گا۔ یہ خیال آنا تھا کہ سیتل بیش خاتون نے دستک دی، ایک لونڈی حاضر ہوئی۔ حکم دیا مان لیک کو حاضر کرو۔ تھوڑی دیر بعد پھر دستک دی، دوسری لونڈی آئی۔ حکم ہوا دختوئی شراول کو کہو ہم یاد کرتے ہیں۔

مان لیک منتظم قوم کی فرد، سرِ تسلیم خم، سر میں سر کبر و غرور، عجب انداز استغنا سے چلی آ رہی ہے۔ سیتل بیش کے سامنے پہنچ کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں دختوئی شراول آن پہنچا۔ سردار ہے، چہرے سے جاہ و جلال نمودار ہے۔ سیتل بیش نے مان لیک کی طرف نظر ڈالی اور کہا "ہم نے تم کو دختوئی شراول کے حوالے کیا"[۱]۔ یہ حکم سنتے ہی پیروں تلے سے زمین نکل گئی پر چہرے پر سراسیمگی کی کوئی علامت نہ تھی۔ آبِ دیدہ آبرو کو کھوتا تھا اور آبرو جان سے زیادہ عزیز۔ التجا سے ناآشنا، تدبر کی دیوی نے دختوئی شراول

[۱] مغلوں کا دستور تھا کہ پہلی بیوی اندرون خانہ ہر چیز کی مختار ہوتی تھی حتیٰ کہ دوسری بیویوں کو بھی امراء کو دے سکتی تھی۔

کی طرف ایک نظر غلط انداز ڈالی اور سینتل بیج سے اجازت چاہ رخصت ہوئی۔
آواز ؛۔ کام و دہن حکومت کی لذت سے آشنا ہوگئے۔ سازش کی بنا پڑی۔

ع - خیر رفت از در تیمور خدا خیر کند

امیر بُلاجی دغلات مغلوں کے گروہ میں بیٹھا تلوار صاف کر رہا ہے اور کہتا جاتا ہے میری تلوار کو زنگ لگ گیا۔ کبھی اس تیغ دو دم کو دم لینے کی مہلت نہ ملتی تھی۔ آج نیام میں پڑے پڑے زنگ آلود ہوگئی۔ ہم چشم ہم کو حقارت سے دیکھتے ہیں، قوم کی حالت دیکھتے دیکھتے بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے۔ ہم دشمنوں پر چھاپے مارتے زر و جواہر لاتے تھے۔ حریفوں کے اعلیٰ سے اعلیٰ النسل کے گھوڑے ہمارے اصطبلوں میں ہنہناتے۔ ہندی تلواریں اور بہترین زرہیں جن کی کڑیاں کبوتر کی آنکھ جیسی ہوتی ہیں ہمارے خیموں میں ہر طرف لٹکی رہتی تھیں۔ یہ تلوار جو تم دیکھ رہے ہو ایک یلغار میں ہاتھ آئی تھی۔ ہم جب چھاپا مار کر واپس آتے تو ہمارے گھوڑوں کے پٹھوں پر سے حسین جوان عورتوں کے غلغال کی آوازیں بلند ہوتی تھیں، میدان گونج اٹھتے تھے۔ ہم دس دس دن گھوڑوں کی پیٹھ پر گذار دیتے تھے جب بھوک پیاس لگتی، تو گھوڑے کی رگ کھول اس کا لہو پی جاتے اور پھر سر بکف سینہ سپر تازہ دم میدان جنگ میں حریف کے مقابل ہوتے۔ ہمارے گھوڑے کٹ پتلیوں

کی طرح کام کرتے تھے۔ ابھی دشمن سے دو بدو ہو رہی ہے ذرا اشارا پایا اور بھاگ نکلے۔ مقابل نے تعاقب کیا ہم پلٹ پڑے۔ تیروں کی ایک ایسی بوچھاڑ کی کہ لاکھوں کھیت ہوئے میدان ہاتھ آیا، معرکہ مار لیا۔ راہوار وہی ہیں سوار وہ نہ رہے۔ تیر و کمان ہیں وہ دست و بازو نہ رہے۔ دنیا بدل گئی وہ زمانہ نہ رہا۔ قوم میں ابتری پھیلی ہے ہر شخص سردار بنا بیٹھا ہے۔ اتفاق مفقود و یگانگت ختم ہوگئی۔ ایلان بوغا خاں ہمارا سردار تھا اور ہم سب تفرقہ و نفاق سے نا آشنا، بیک آواز اس کی آواز پر لبیک کہتے تھے۔ اب کوئی سردار نہ رہا اس لیئے ہم تباہ حال ہیں۔ ایلان بوغا خان مرگیا اور کوئی اولاد چھوڑ کر نہ گیا سیتل بیش خاتون اس کی چہیتی بیوی بانجھ تھی۔ بے شک دوسری بیوی مان لیک حاملہ تھی پر وہ خان کی غیر موجودگی میں دختوئی شراول کے حوالے کر دی گئی اور شراول واللہ اعلم کہاں چلا گیا۔ اگر وہ بچہ مل جائے اور قسمت سے لڑکا ہو تو ہماری قسمت کھل جائے۔ پر وہ کہاں ہم کہاں ع
ایں خیال است و محال است و جنوں۔ ایک زمانہ تھا جب مغل کسی بات کو محال اور ناممکن نہیں سمجھتے تھے۔ اب مغل وہ مغل نہ رہے۔ ہمارے نوجوان پست ہمت ہوگئے۔

تاش تیمور نامی ایک جوان کھڑا ہوا اور بولا "مغل آج بھی وہی ہیں

جو کل تھے۔ ایسان بوغا خان کی اولاد اگر زندہ ہے تو لا کر دکھائیں گے۔"

امیر بلاجی دغلات نے کمر ٹھونکی اور کہا ع آفریں باد بریں ہمت مردانۂ تو۔ وے کہنا آسان ہے کرنا مشکل۔ جس کام کا تم نے بیڑا اٹھایا ہے اس کی دشواریوں سے ناآشنا ہو۔ ہاں ایک بات ہے اگر یہ کام کر جاؤ گے قوم پر احسان کرو گے۔ ہم کو سردار چاہیے، سرداروں کی نسل کا سردار۔ سپہ بغیر سپہ سالار فتح مند نہیں ہو سکتی۔ قبیلہ بغیر سردار کے تتر بتر ہو جاتا ہے۔ قافلہ بغیر قافلہ سالار منزل سے محروم۔ لکڑیوں کو اکٹھا رکھنے کے واسطے بندھن کی ضرورت ہے۔ سارا بندھن ٹوٹ گیا، شیرازہ بکھر گیا۔ قوم کی ترقی مرکزیت میں مضمر ہے اور مرکزیت کے لئے سردار واحد لازم۔

تاش تیمور بولا " ایسان بوغا خان کی اولاد نرینہ اگر صفحۂ ہستی پر ہے تو لا کر دکھاؤں گا ورنہ منہ نہیں دکھاؤں گا۔ مجھے چھ سو بکریاں دو کہ زادِ راہ کے لئے ضروری ہیں۔

آواز:۔ ہمت مرداں مدد خدا۔ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گا۔

ایک فرینسسکن کونونٹ (Franciscan Convent) میں چند راہب بیٹھے کچھ مشورہ کر رہے ہیں۔ چہرے پر تدبر اور فراست۔ ذرا ان کی باتیں سنیں۔

ایک راہب :۔ بھائیو، ایران کی طرف جو مغل گئے اسلام لائے۔ حکومت اور دولت نے رنگ جمایا۔ عیش و عشرت میں پڑ گئے نفاق کی بنا پڑی آج رو بزوال ہیں۔ وسط ایشیا کے مغل ابھی تن آسانی کی لذت سے نا آشنا ہیں، دست تعیش نے طبع مردانہ پر دسترس نہیں پائی ہے۔ حقیقت کے متلاشی مذہب کے جویا بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اگر یہ شمشیر برہنہ عیسائیت کے ہاتھ آجائے تو دیگر مذاہب پر ضرب کاری لگے گی۔ ہاں یاد رہے اسلام کا سنگ گراں راہ میں ہے، پر ان کے پاس نہ طاقت ہے نہ تبلیغی جماعت۔ دولت ہمارے پاس ہے طاقت ہمارے ساتھ، پاپائے روم کا ہاتھ ہمارے سر پر مغلوں پر اپنے مذہب کا تفوق جتاؤ، روم کی حمایت کے سبز باغ دکھاؤ۔ کوئی وجہ نہیں کہ ادھر مائل نہ ہو جائیں۔ ہم عیسائیت پھیلانے تثلیث کا پیغام پہنچانے بھیجے گئے ہیں۔ آؤ اپنا فرض انجام دیں۔

سب راہبوں نے اپنے اپنے صلیب کو بوسہ دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

مغل اپنے خان کے گرد بیٹھے ہیں، جنگ و شکار، تیر و تلوار کے ذکر ہو رہے ہیں۔ دور سے راہب آتے دکھائی دیے، جب قریب آئے تو سوائے خان کے سب نے تعظیم دی اور عزت سے بٹھایا۔ ان کے آنے سے گفتگو کا موضوع بدل گیا اور مذہب پر تبادلۂ خیالات ہونے لگا۔

دوران گفتگو میں تثلیث پر بحث چھڑ گئی۔ خان نے کہا یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا، تین کو ملا کر ایک کیوں کر بنایا جا سکتا ہے۔ تین تو تین ہی رہیں گے اور ایک ایک ہی۔ راہبوں نے پیچ در پیچ دلائل سے تثلیث کو قابل فہم بنانا چاہا لیکن نہ خان کی سمجھ میں آیا نہ دوسرے سرداروں کی۔ ایک سردار بولا وحدانیت تو سمجھ میں آسکتی ہے لیکن تثلیث کو سمجھنے سے ہم قاصر ہیں۔ نظامِ عالمِ ہستی واحد درست رکھ سکتی ہے یہ کارخانہ شرکتِ عمل سے نہیں چل سکتا۔ درآں حالیکہ دو شاہ در اقلیمے نہ گنجند، قرینِ قیاس نہیں کہ کئی خدا اس عالمِ اسباب کو چلاتے رہیں۔

رفتہ رفتہ گفتگو کا رخ بدلا اور رہبانیت زیرِ بحث آ گئی۔ عیسائیت کے علم بردار تارکِ روزگار راہب بولے کہ دنیا آنی جانی ہے، یہاں کی ہر چیز فانی ہے، دو دن زندگانی ہے، اس کو ترک کرنا اولیٰ، تعلقات منقطع کرنے افضل۔ یہاں کی دولت، عزت، حکومت، یہاں کا ساز و سامان ایک خوشنما جال ہے جو کم عقل کوتاہ بینوں کو خوش آئند نظر آتا ہے، صاحبِ فہم و ذکا اس دلدل سے بچ کر نکل جاتے ہیں۔ عیسائیت کی یہی تلقین ہے کہ ترک دنیا کرو، عقبیٰ سے لو لگاؤ، یہاں کے عارضی عیش و آرام، جاہ و جلال کو ٹھکراؤ، جہانِ فانی کے درپے ہو کر عالمِ جاودانی کو ہاتھ سے نہ گنواؤ۔

خان نے راہبوں کی یہ باتیں سنیں اور کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ سردار بھی خاموش بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر بعد خان نے سر اٹھایا اور کہا " اگر ان اصولوں کی پابندی کی جائے تو قوم پر سر اقتدار نہیں آسکتی، حکومت نہیں حاصل کر سکتی، عزت نہیں پاسکتی "۔

" عقبیٰ کی تلاش میں دنیا کو قطعاً چھوڑ دینے کے ہم قائل نہیں حقیقت کو نظر انداز کرنا عقل سلیم کے خلاف ہے۔ جب تک ہم دنیا میں ہیں اس کی ہر چیز ہمارے لئے ہے۔ اس کو حاصل کریں گے اور قوم اور مذہب کی ترقی کے لئے استعمال۔ اگر ہم حاکم بننے کی کوشش نہ کریں تو لازمی طور پر محکوم ہو جائیں گے اور ہمارا مذہب محکوم قوم کا مذہب ہوگا۔ خود بھی ذلیل ہوں گے اور اپنے مذہب کو بھی ذلیل و خوار کریں گے۔ اقتدار حاصل کرنا ہمارا فرض اولین ہے۔ ہاتھ میں قدرت ہوگی تو دنیا ہماری ٹھوکروں میں۔

رہبانیت کے ہم قائل نہیں۔ اس کے اصول قوم کو ترقی سے روکتے ہیں۔ اس کے بعد خان نے دریافت کیا کہ آیا عیسائیت تجرد کی زندگی گذارنے کی تلقین کرتی ہے۔

راہبوں نے کہا بیشک۔ تعلقات دنیوی ہمارے اور خدا کے درمیان حجاب ہیں پس ازدواج اور دیگر تمام تعلقات قطع کرنے لازمی۔

خان نے جواب دیا کہ ہر وہ شخص جو نجات کا طالب ہو اس کے لئے ازدواج سے پرہیز کرنا لازمی ہے اور تلاشِ نجات فرض۔ پس تمام قوم کے لئے مجرد رہنا لازم آیا اور اس اصول کے ماتحت قوم اور نسل یا تو راہ نجات چھوڑ دے یا اپنے آپ کو ختم کر دے۔ ہماری تو دولت طاقت ہماری اولاد ہے۔ اگر ہم ان اصولوں کے پابند ہو جائیں تو دو دن بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک معمر مغل کھڑا ہوا اور خان سے اجازت لے کر یوں کہنے لگا۔ عیسائی مدت مدید سے ہماری قوم میں اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں اور ہمارے اکثر خوانین نے بھی نصرانی مبلغین کو بلایا اور ان کا مذہب سمجھنے کی کوشش کی۔

ایک راہب اسپکل نامی ۱۳۴۳ء میں آیا اور بدتوں تبلیغ و اشاعت کرتا رہا۔ بعد میں ہلاکو خاں کے دربار میں دو عیسائی تاجر آئے ایک کا نام نکولو پولو اور دوسرے کا میفیو پولو تھا۔ ہلاکو خاں نے ان سے پاپائے روم کے حالات دریافت کئے اور بعلجت کوگاتل نامی ایک امیر کو ایلچی مقرر کر کے ان کے ہمراہ پاپائے روم کے پاس بھیجا اور سو ماہرین علوم و فنون اور کچھ مبلغین طلب کئے جو بت پرستوں پر عقلی دلائل سے عیسائیت کا تفوق ثابت کر سکیں اور پاپائے روم سے اس تیل کی بھی درخواست کی جو بیت المقدس میں حضرت عیسیٰ

کے مزار مبارک پر چلتا ہے۔ جب پیغامبر منزل مقصود پر پہنچے تو پاپائے روم گذر چکا تھا۔ یہ تھیو بالڈ (Theobald) نامی پادری سے ملے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اس نے صلاح دی کہ پوپ کے انتخاب کا انتظار کرو۔ لیکن چونکہ باہمی نزاع کی وجہ سے عیسائی دو سال تک کوئی پوپ منتخب نہ کر سکے یہ دونوں بھائی روغن مقدس لے واپس روانہ ہوئے۔ابھی لیاس پہنچے تھے کہ معلوم ہوا کہ تھیوبالڈ پوپ منتخب ہوگیا اور سا تھ ہی انہیں پیغام ملا کہ فوراً واپس چلے آؤ۔ عیسائی تاجدار اس کام کو اتنا اہم سمجھتے تھے کہ حرمینیا (Hermenia) کے بادشاہ نے ایک بجرے کا انتظام کیا جو ان کو جلد از جلد پاپائے روم تک پہنچا دے۔ تھیوبالڈ (Theobald) نے جواب گریگوری (Gregory) کے نام سے پوپ بنا تھا دو بہترین مبلغین فرائر نکولس (Friar Nicolas) اور فرائر ولیم (Friar William) ان کے ہمراہ روانہ کیے۔ یہ لوگ جب لیاس (Layas) پہنچے تو حرمینیا (Hermenia) میں جنگ چھڑ گئی اور راستہ پُر خطر ہوگیا۔ دونوں مبلغ راہبوں نے ان حالات میں آگے جانے سے انکار کیا اور اپنے کاغذات پولو بھائیوں کے حوالے کر واپس چلے گئے۔ پوپ کے انتخاب کی کیفیت یہ تھی کہ جب پادریوں کی جماعت

اختلاف باہمی اور مقاصد ذاتی کی وجہ سے فیصلہ کرنے سے قاصر رہی تو قرار پایا کہ چھ آدمی مقرر کئے جائیں اور ان کا فیصلہ فیصل کن ہو۔ کارڈینل بشپ پورٹس (Cardinal Bishop Portus) جو پیش پیش تھے انھوں نے مشورہ دیا کہ جس محل میں مجلس شوریٰ منعقد ہو اس کی چھت اتار دی جائے تاکہ ہدایاتِ ایزدی بغیر کسی رکاوٹ کے نازل ہو سکیں۔ انتخاب کنندگان میں سے اکثر نے تھیوبالڈ (Theobald) کو رائے یہ سمجھ کر دی کہ وہ مر چکا ہے۔

یہ تمام واقعات بے کم و کاست ہلاکو خاں تک پہنچے۔ عیسائیت سے برداشتہ خاطر ہو گیا۔

آواز:۔ فطرت کے سپوت دینِ فطرت اختیار کریں گے۔

یہ کون چرواہا پھٹے کپڑے بُرے حال گنتی کی دو چار بکریاں لئے چلا جا رہا ہے۔ اچھا، یہ تو تاش تیمور ہے جو ایسان بوغا قاں کی اولادِ نرینہ لانے کا بیڑا اٹھا کر چلا تھا۔ دشت و بیابان نورد برفانی پہاڑ بے آب و گیاہ میدان پے سپر کرتا، گرم و سرد روزگار دیکھتا، دل میں قول کا پاس، قوم کا خیال لیے تلاشِ مقصود میں رواں دواں ہے۔ سامنے سے ایک مسافر آتا

نظر پڑا۔ دعا سلام کے بعد دریافت کیا کہ اس علاقے میں کہیں دختوئی شراول نامی سردار کا قبیلہ رہتا ہے۔ جواب نفی میں ملا۔ ہاتھ پیر جواب دے گئے پر مغل دل نے جواب نہ دیا۔ آس ٹوٹ گئی ہمت نہ ٹوٹی۔ بھوک نے ستایا۔ چاروں طرف نظر دوڑائی کچھ نظر نہ آیا۔ ایک پتھر پر ہو بیٹھا۔ بکریوں کو دیکھا تو گنتی کی رہ گئی ہیں۔ زادراہ محدود اور منزل مقصود مفقود نظر آئی۔ بکری کا کاٹنا نامناسب اور اشتہا کا تقاضا شدید۔ طبع حاضر نے تدبیر نادر پیش کی۔ بکریوں کے کان کاٹ پیٹ بھر لیا۔ چلتے چلتے کچھ ڈیرے نظر آئے۔ غریب الوطن نے غنیمت جانا جا کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ دختوئی شراول کا قبیلہ کچھ عرصے یہاں قیام کر مغرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ امید کا آفتاب جو غرب یاس میں غروب ہو چکا تھا پھر طلوع ہوا۔ رات بسیرا لے زمین کا مسافر آسمان کے مسافر کے ساتھ شرق سے غرب کی جانب روانہ ہوا۔

تاش تیمور مایوس و نا امید کبیدہ خاطر ایک کبود رنگ کی بکری لئے بیٹھا ہے۔ ایک راہ گیر سے عادت کے مطابق دختوئی شراول کے قبیلے کی بابت دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ کچھ فاصلے پر ڈیرہ ڈالے پڑا ہے۔ باتوں باتوں میں معلوم کر لیا کہ مان لیک کا بیٹا جو الیبان یونا خان سے ہے اس وقت پندرہ سال کا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی امید کی ایک صورت

نظر آئی۔ رگوں میں خون دوڑ گیا' دماغ کامیابی کی تدابیر سوچنے لگا۔

آواز: ہمت مرداں مدد خدا۔ اپنے ارادے میں کامیاب ہو گا۔

"تاش تیمور فائز المرام الیان بوغا خاں کے بیٹے تغلق تیمور کو اس کے باپ کے قبیلے کی طرف لئے جاتا ہے۔ شاد کام ہے تیز گام جا رہا ہے۔ خان کی اولاد ہے خان بنے گا۔ تغلق تیمور ہوا ئے سروری در سر اڑا چلا جاتا ہے۔ گرم جوش مسافر مصائب اور منزلیں طے کرتے برفانی علاقے سے گزر رہے ہیں نگاہ نے لغزش کی' قدم ڈگمگایا' تغلق تیمور نا آزمودہ کار برف کے غار میں جا پڑا۔ "تاش تیمور غار کے کنارے سر پکڑے بیٹھا ہے۔ قسمت سر غار کھڑی مسکرا رہی ہے' بہ آواز حال مژدہ سنا رہی ہے کہ اس لڑکے سے مجھے کام لینا ہے' اس نونہال کو بار آور ہونا ہے۔ دور سے قافلہ آتا نظر آیا جان میں جان آئی۔ امید نے صورت دکھائی۔ قافلہ سالار کو ساری داستان سنائی اور مدد چاہی۔ "تاش تیمور کمر میں رسی باندھ غار میں کود پڑا۔ مصلحتاً پہلے خود اوپر آیا پھر تغلق کو باہر نکالا۔

آج اکسو شہر میں جشن ہے۔ الیان بوغا خان کا قبیلہ اپنے سردار کے بیٹے ہونے والے سردار تغلق تیمور کا خیر مقدم کر رہا ہے۔ فنون سپہ گری دکھائے جا رہے ہیں۔ سب اہل شہر خوشیاں منا رہے ہیں۔ آج امیر بلاجی

کی آرزو بر آئی۔ خدا نے سردار کی صورت دکھائی۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

کٹک کی جامع مسجد میں بڑا اجتماع ہے۔ آج روز جمعہ ہے۔ بعد نماز شیخ جمال الدین نے اعلان کیا کہ میں تم سے رخصت ہوتا ہوں۔ تمہارے افعال بد و اعمال زبوں کی پاداش میں عذاب الٰہی نازل ہونے والا ہے۔ اب قیامت میں ملاقات ہوگی۔ اتنا کہہ چل دئے۔ مؤذن ہم عنانی کی اجازت لے ساتھ ہو لیا۔ ابھی تین فرسنگ گئے تھے کہ کچھ ضروری کام یاد آیا اور مؤذن کٹک واپس گیا۔ جب مسجد کے قریب سے گذرا تو عصر کا وقت تھا۔ دل نہ مانا، عادت نے قدم تھام لئے۔ مینار پر چڑھ اذان کہی۔ اب جو نیچے اترا تو راستہ بند پایا۔ پھر اوپر آیا۔ دیکھا تو آسمان پر سے خاک برس رہی ہے اور راہ مسدود ہوگئی ہے۔ آہستہ آہستہ خاک مینار تک آن پہنچی اور یہ کود جان بچا شیخ سے جا ملا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ رفتہ رفتہ یہ دونوں مسافر تبے گل پہنچے۔ ایک جگہ بیٹھ کر دم لے رہے تھے کہ کچھ سپاہیوں نے آکر گرفتار کیا۔ کشاں کشاں سردار کے پاس لے گئے۔ سردار تغلق تیمور تھا اور اذن عام دے رکھا تھا کہ آج ہر شخص سیر و شکار میں شریک ہو۔ عدول حکمی میں گرفتار ہوئے۔ عذر پیش کیا

کہ غریب الوطن کتک سے آئے ہیں جو برباد ہوگیا۔ حکم سے آگاہ نہ تھے ورنہ سر وچشم بجالاتے۔ تغلق تیمور اس وقت اپنے کتوں کو سور کی ہڈیاں کھلا رہا تھا شیخ سے خطاب کیا اور کہا "تم اچھے ہو یا یہ کتے؟" شیخ نے جواب دیا "اگر مجھ میں نور ایمان نہیں تو یہ کتے مجھ سے بہتر ہیں ورنہ میں ان کتوں سے بہتر۔" تغلق نے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے جو انسان کو کتے پر فوقیت دیتا ہے؟ شیخ نے ایمان کی حقیقت بیان کی۔ تغلق ابھی بااختیار نہ تھا وعدہ کیا کہ جب اختیار پاؤں گا ایمان لاؤں گا۔ وعدہ لیا کہ آکر میرا وعدہ یاد دلاؤگے، مجھے مومن بناؤگے۔

شیخ جمال الدین بستر مرگ پر ہیں۔ بیٹا ارشد الدین قریب بیٹھا ہے۔ شیخ نے دو گھونٹ پانی کے پیئے اور ارشد الدین کو قریب تر آنے کا اشارہ کیا۔ اعضا و جوارح جواب دے چکے تھے پر ہوش و حواس ابھی باقی۔ لب بہ مشکل جنبش کرتے ہیں، زبان لڑکھڑاتی ہے، بات زبان پر آ آ کر رہ جاتی ہے۔ باپ نے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ بیٹے نے تکیوں کے سہارے بٹھایا دو گھونٹ پانی پلایا۔ حلق تر ہوا، زبان میں طاقت آئی۔ بیٹے سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا تھا کہ چراغ لئے چٹان پر چڑھ رہا ہوں اور اس کی روشنی سے مشرق و مغرب منور ہے۔ اس کے بعد بے ربط ٹوٹے

چھوٹے فقروں میں تغلق تیمور کا واقعہ بیان کیا اور اس خدمت کے انجام دینے کا وعدہ لیا۔

صبح صادق ہے۔ شب زندہ داران انجم چادر نور اوڑھا چاہتے ہیں۔ عاملان کارخانۂ عالم نے واللیل گردانی اور والشمس کھولی۔ روز روشن کا پرچم نورانی لہرایا۔ رات نے اپنا ڈیرہ اٹھایا۔ مغلوں کے ڈیرے ایک میدان میں پڑے ہیں۔ ارشد الدین نے ایک ڈیرے کے قریب بآواز بلند اذان کہی۔ سوار آئے اور گرفتار کر کے لے گئے۔ خان کے سامنے پیشی ہوئی۔ اس نے غضب ناک انداز میں کہا کہ تو کون ہے جو روز میری نیند خراب کرتا ہے۔ ارشد الدین نے جواب دیا کہ "آپ تک پہنچا چاہتا تھا جب اور کسی طرح رسائی نہ ہوئی تو یہ طریقہ اختیار کیا۔" الکریم اذا وعد نا وفا۔ آپ نے مدت ہوئی میرے باپ شیخ جمال الدین سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا۔ آج میں اس کے ایفا کا طلب گار ہوں۔" تغلق تیمور بولا "مجھے اپنا وعدہ یاد ہے جب سے با اختیار ہوا شیخ کا منتظر ہوں۔" ارشد الدین نے کہا "وہ تو راہیِ ملک بقا ہوئے اور مجھے وصیت کر گئے۔" خان ایمان لایا۔ صبح پہلا آدمی جو دربار میں آیا امیر تولیک تھا۔ تغلق نے پوچھا کہ اسلام قبول کرو گے تولیک نے جواب دیا کہ تین سال ہوئے مجھ کو کاشغر میں

ایک نیک بندے نے مسلمان کیا تھا مگر آپ کے خوف سے ظاہر نہ کرتا تھا۔ خان اور امیر گلے ملے۔ بالآخر ایک ایک کر کے سب ایمان لائے حتیٰ کہ نوبت جرس تک پہنچی۔ اس نے کہا کہ اگر یہ شخص میرے ملازم سنغتی بوقا کو زیر کرے تو میں ایمان لے آؤں گا۔ میں نے اس کو دیکھا ہے کہ اونٹ کے دو سالہ بچے کو بے تکان اٹھا لیتا ہے۔ مولانا ارشدالدین نے خدا پر بھروسہ کر شرط منظور کر لی۔ چند لمحے گاؤزوری کے بعد بوقا زمین پر تھا اور مولانا اس کے سینے پر۔

آواز:۔ ہاں ایمان کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے۔

بعد مغرب، دن بھر کے بچھڑے ہوئے ستارے صحن فلک پر جمع ہوئے اور مغل بھی نماز مغرب ادا کر یک جا ہو بیٹھے۔ طراغے قبیلے کا خان دوران گفتگو میں بولا "رات کو میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر چاہتا ہوں۔ سب غور سے سننے لگے۔ خان نے کہا " دیکھتا کیا ہوں کہ ایک نورانی چہرے والے عرب نے مجھے شمشیر برہنہ دی۔ جب میں نے چلائی تو اس میں سے شعلے نکلنے لگے۔ دیکھتے دیکھتے تلوار گلاب پاش سے بدل گئی اور اس کی پھوار دور دور پہنچی۔ یہ خواب سن کر سب کی رائے ہوئی کہ شیخ شمس الدین سے

تعبیر لی جائے۔ قبیلے کے چند معمر اور وجیہ افراد شیخ کے پاس گئے اور خواب بیان کیا۔ جواب ملا "فرزندار جمند مبارک ہو جس کی تلوار دنیا کو کفر اور بت پرستی کی آلودگی سے پاک کرکے ایمان پھیلائے گی اور اس کی اولاد اطراف و اقصائے عالم میں پھیلے گی۔"

امیر طراغے اپنی بیوی کو وضع حمل کے بعد شیخ کی خدمت اقدس میں قدم بوسی کے واسطے لے کر حاضر ہوا ہے۔ وہ سرسٹھویں سورت تلاوت فرما رہے ہیں۔ امیر کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھا اور فرمایا "ہم نے تمہارے لڑکے کا نام تمر رکھا۔"

مکتب فطرت کا بہترین شاگرد کتاب حیات کے سات ورق گردان چکا اور اب مکتب میں بیٹھا ہے۔ استاد نے شاگردوں سے سوال کیا کہ بہترین نشست کونسی ہے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا۔ اب نظریں تیمور پر ہیں۔ وہ کھڑا ہوا اور بولا "بیٹھنے کا بہترین طریقہ دوزانو ہے، چونکہ ہمارے رسولؐ نے نماز میں اسی طرح بیٹھنے کو فرمایا ہے۔"

ہفت اقلیم پر فتح پانے والا سپاہی جنگ زیست کی سات زینیں سر کر چکا ہے۔ سپہ سالار بنا ایک ٹیلے پر کھڑا ہم مکتبوں کو دو ٹولیوں میں تقسیم کر رہا ہے۔ جس فریق کو کمزور پاتا ہے اسے کمک پہنچاتا ہے۔

آواز ؛ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آجاتے ہیں۔

بسازی اگر نیز آہنگ بود حدیثش ز دیہیم و اورنگ بود
بآئین فرماں دہی داشت میل شدندے برش کودکاں خیل خیل
شدہ کودکے بر سپاہش امیر یکے نصب گشتے برسم وزیر

تیمور سولہ سال کا ہے اور اپنے باپ کے ساتھ خانقاہ جا رہا ہے۔ خدا پرست خانۂ خدا میں جا بیٹھے۔ باپ نے بیٹے سے کہا "جان پدر ہمارے آباؤ اجداد نسلاً بعد نسلٍ چغتائی اور برلاس قبیلے کے سپہ سالار رہے ہیں۔ آج تک میں حسب دستور اس کام کو انجام دیتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ عالم مجاز میری نظر میں فریب نظر ہے۔ اس قلزم فنا کی خوش آئندہ، خواب آور اور مہلک لہروں میں پھنس کر مینائے[1] مقصود کو فراموش کرنا نہیں چاہتا۔ چاہتا ہوں کہ اس عالم آب و گل سے پالودہ دامن نکل جاؤں۔ اب یہ منصب یہ سلسلۂ نصب تمھیں پہنچتا ہے۔ مبارک ہو۔ میں دست بردار ہوتا ہوں۔ یہ گاؤں اور یہ خانقاہ میرا لگایا ہوا باغ ہے۔ اب تم اس کی آبیاری کرنا۔ خاندان کی آبرو تمھارے ہاتھ ہے۔ ہمارے خاندان کا سلسلہ طومو تا خاں

---

[1] بندرگاہ

تک پہنچتا ہے اور ان کا سلسلہ یافث بن نوح (Tumuneh Khan) سے جاملتا ہے۔ اس خاندان کا شخص اول جو مشرف بہ اسلام ہوا قراچار نویان (Karachar Nuyan) تھا۔ عقل بالغ اور وجدان سلیم سے بہرہ ور اسلام لایا اور قبیلے والوں سے کہا " بھائیو میں اپنے گرد و پیش ایک عالم دیکھتا ہوں لیکن فراست سے سمجھتا ہوں کہ اور بھی عالم ہیں۔ اسی طرح وجدان سلیم یقین دلاتا ہے کہ خالق جزو کل قادر مطلق ذات واحد ہے۔ جب اس عالم فانی کو اس نے برگزیدہ فرمایا اپنا پرتو اس پر ڈالا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نائب بنا کر بھیجا اور ان کے نائب خلفا ہیں۔"

بیٹا، اپنے جد اعلیٰ کا یہ قول میرے لئے باعث تسلی و تشفی ہے اور میں نے صدق دل سے اسلام قبول کیا ہے۔ تم کو وصیت کرتا ہوں کہ:۔

اول تو:۔ اسلام پر اعتقاد واثق رکھنا۔ صراط مستقیم سے نہ ڈگمگانا۔ علما و فقرا کی عزت کرنا۔ درویشوں سے طالب دعا رہنا۔ سادات کی خدمت کرنا اور خلق خدا پر رحم کرنا۔

دویم:۔ تبلیغ اسلام کرنا۔

سویم:۔ اپنے کو خادم خدا سمجھنا۔ قضا و قدر پر ایمان رکھنا۔ حکم قضا سے

برافروختۂ خاطر نہ ہونا۔ خدمتِ خلقِ خدا لازم سمجھنا۔

چہارم :- دوستوں کے ساتھ تلطف، اعزا کے ساتھ التفات سے پیش آنا۔
ظلم و تعدی سے احتراز کرنا۔ قبائے انصاف زیب بر۔ تین دن سے
زیادہ کسی کو قید نہ رکھنا۔ بندِ محبت سے پابند کرنا۔ بری صحبت
سے بچنا۔ رعایا پر لطف و کرم کرنا ورنہ اقتدار کھو بیٹھو گے۔

جب باپ یہ سب نصیحتیں کر چکا، بیٹے نے قبلہ رو بیٹھ ان پر کاربند
ہونے کا تہیہ کیا۔

مردِ میداں مردِ خدا کے سامنے آتا ہے۔ دنیوی تاجدار مخدومِ روزگار
صاحبِ خدمت کے دربار میں حاضر ہے۔ معتقدین اور اہلِ حال و قال
حضرت امیر کلال کو گھیرے بیٹھے ہیں اور تیمور صفِ نعال میں حاضر ہے۔
درِ دریائے معرفت کی نگہ گوہر شناس گوہر یکتائے تاج سروری و دُرِ دانۂ
طرۂ خسروی تیمور پر پڑ جاتی ہے۔ صاحبِ کشف و کرامت بیک نظر حقیقتِ
حال کو سمجھ جاتے ہیں۔ اپنے پاس بلا کر بٹھاتے اور کہتے ہیں " یہ لڑکا گو
دیکھنے میں چھوٹا دِسے رہتے ہیں سب سے بڑا ہے"۔ اتنا کہہ کر قدرے آرام
فرماتے ہیں۔ جب بیدار ہوتے ہیں تو خادم کچھ روٹیاں اور مٹھائی پیش کرتا ہے۔

سات روٹیاں اور تھوڑی مٹھائی تیمور کو عطا ہوتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے
"اس میں سے تھوڑا تھوڑا کھا۔ ہفت اقلیم کی سلطنت تیرے لئے ہے۔"
حاضرینِ محفل تیمور کو بہ نظرِ استعجاب دیکھتے ہیں۔
آوازہ:۔ بزرگ کردہ اور افلاک نہ بینید خورد عزیز کردہ اور اجہاں نداز خوار

آج تیمور اور اس کے والدین حضرت امیر کلال کے دربار میں حاضر ہیں۔ اخروٹوں کی ایک ٹوکری حضرت کلال کے سامنے رکھی ہے۔ طراغے کو حکم ہوتا ہے کہ ان کو گن۔ وہ تین سو ستر نکلتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ تیمور کی اولاد میں ستر افراد تین سو سال تک صاحب طبل و نگیں رہیں گے بشرطیکہ تبلیغ اسلام اور آلِ رسول کا احترام کرتے رہیں۔

سریر آرائے سمائے سروری، ماہتاب فلک فرماں روائی اٹھارویں منزل میں ہے۔ بیمار و ضعیف، بیہوش و نحیف پلنگ پر پڑا ہے۔ اعزا مثل نبات النعش گھیرے ہوئے ہیں، مرگ و زیست میں کش مکش ہے۔

ملک الموت کو ضد ہے کہ میں جاں لے کے ٹلوں
سر بسجدہ ہے مسیحا کہ مری بات رہے

علاج صد آزار نے آنکھ کھولی۔ انار کے چند دانے کھا بے ہوش ہو گیا۔

اتر بار رونے لگے۔

مگر از من نشان مرگ ظاہر شد کہ ہی بینم
عزیزاں را نہانی آستیں برچشم تر امشب

اطبا سمجھ گئے کہ تیمور[1] موت کے آہنی پنجے میں ہے۔ تدبیر سے کام لیا
لوہے کو آگ دکھائی۔ سبا بہ اور ابہام کے درمیان داغا۔ بیمار ہوش
میں آیا بولا "مجھے بھوک لگی ہے۔ یخنی اور تیماخ لاؤ" سیر ہو کر کھایا اور
سو گیا۔ پسینہ آیا اور مزاج رو بہ اصلاح۔

تیمور باپ کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا ہے۔ دوران گفتگو میں اپنے
آباو اجداد کی بابت دریافت کیا۔ باپ نے جواب دیا "ترکوں کی تواریخ
میں لکھا ہے کہ ہماری نسل یافث اغلان سے چلتی ہے جن کو ابوالاتراک
بھی کہتے ہیں۔ یافث اغلان ترکوں کے تاجدار اول جعفت (Japhet)
کے بیٹے تھے جب کہ جعفت کا پانچواں لڑکا اوجح خاں (Oljch Khan)
تخت نشیں ہوا خدائے متعال نے اس کو جوڑواں بچے دیے۔ ایک کا نام
تاتار اور ایک کا مغل رکھا۔ اولجح خان نے اپنی زندگی میں سلطنت

---

[1] تیمور یعنی فولاد۔

ترکستان ان دونوں بھائیوں میں تقسیم کر دی۔

تاتار اور مغل نے با اختیار ہونے کے بعد طریق حق ترک کر دیا اور مذاہب غیر حق پر گام زن ہوئے۔

تاتار کے آٹھ لڑکے تھے جن سے آٹھ اولوس (Oulmo) قبیلوں کا سلسلہ چلا۔ مغل کے نو لڑکے جن سے نو قبیلوں کی بنا پڑی۔ یہ دونوں جتھے ترکستان کے میدانوں میں اکثر مصروف جنگ رہتے تھے۔

آخر الامر طومناخاں برسر اقتدار آیا۔ اس کے ہاں کچولی اور قبلائی قاآن توام لڑکے ہوئے۔ جب یہ دونوں بھائی جوانی کو پہنچے تو کچولی نے خواب دیکھا کہ اس کے بھائی قبلائی قاآن کے سینے سے دو ستارے بلند ہوئے اور غروب ہو گئے۔ بعدۂ ایک اور ستارہ طلوع ہوا جو آب و تاب میں آفتاب جہاں تاب کا ہم پلہ تھا۔ یہ خواب بیٹے نے باپ سے بیان کیا۔ اس نے بشارت دی کہ تیرے بھائی کے ہاں تیسری پشت میں باقبال کام گار و کام راں لڑکا ہوگا۔

کچھ عرصے بعد طومناخاں نے خوانین اور بزرگان قوم کو مدعو کیا۔ اس مجمع کے روبرو دونوں بھائی بغل گیر ہوئے اور عہد کیا کہ باہمی جنگ و جدال سے احتراز کریں گے اور یہ قرار پایا کہ خانی کا اعزاز

قبلائی خاں کی اولاد میں رہے گا اور کجلی کی اولاد سپہ سالار۔ اور یہ قول و قرار ایک تختی پر کندہ کر کے محفوظ کئے گئے۔

۵۴۹ھ میں قبلائی خان کے بڑے بیٹے منغو بہادر (-Mango Bahadur) کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جس کے دونوں ہاتھوں میں خون تھا۔ تیموجے (Timujy) نام رکھا۔ انچاس[۴۹] برس کی عمر میں سخت خطروں اور دشواریوں کے بعد یہ لڑکا تخت ترکستان پر متمکن ہوا۔ اسی دن ایک مردِ خدا بر سر دربار آیا اور اعلان کیا کہ بارگاہ باری تعالیٰ سے چنگیز خاں کا خطاب اور تاجداریِ ہفت اقلیم تجھے عطا ہوئی ہے۔

چنگیز خاں نے اپنی وفات کے دن صبح کے وقت حکومت ماوراالنہر اپنے بڑے لڑکے چغتائی خاں کو دی اور قرار چار نویان ولد ایزد امجان برلاس (Ayzadumjan Berlas) ولد کجولی بہادر کو وزارت اور سپہ سالاری عطا فرمائی۔ قرار چار نویان میرے چوتھے اور تمہارے پانچویں جد ہیں۔ بعدہٗ وہ عہد نامہ طلب کیا جو کجولی اور قبلائی خان کے درمیان ہوا تھا۔ پہلے چغتائی خاں نے پڑھا اور پھر قراچار نویان کو دیا اور گورگان (شہریار جلیل القدر) کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

قراچار نویان کو خدا نے لڑکا دیا جس کا نام انجل نویان رکھا۔ قراچار مجوسی کیش تھا جو خدا کا وجود ہر شے میں مانتے ہیں۔ یہ اعتقاد قراچار کے واسطے باعث تشفی نہ تھا اس وجہ سے اکثر بزرگان دین سے جویائے حق رہتا۔ اسی سلسلے میں کسی مسلمان سے اعتقادات اسلام دریافت کئے۔ اس نے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه کی تلقین کی۔ قراچار ایمان بالیقین لایا اور وسعت ملک میں دین پھیل گیا۔ پھر انتظام ملک داری کی طرف رجوع ہوا اور سرزمین ایران کو ایلات میں منقسم کر دیا اور کیش کے سرسبز میدانوں کو اپنے قبیلہ برلاس کے لئے مختص کیا۔ پھر ملک گیری کا ارادہ کیا۔ کاشغر، بدخشاں، اندیجان، حصار اور خراسان کو فتح کر اپنا ذاتی تعلقہ بنا لیا۔

جب قراچار نے اس جہان فانی سے کوچ کیا تو اس کا خلف الرشید الطی توض (Altte Kuz.) عہدہ سپہ سالاری پر مامور ہوا۔ بعدہٗ جب تمہارے دادا امیر برقل سپہ سالار ہوئے تو قبیلے میں فساد و عناد کی گرم بازاری تھی۔ اس فضا سے برداشتہ خاطر ہو کر عہدے سے دستکش ہوئے۔ ان کے بعد ہی قبیلے کا سردار بنا۔ اکثر درویشوں کی خدمت میں رہتا تھا اور طالب دعا کہ ربّ کریم مجھے فرزند ارجمند عطا فرمائے۔

میں صحبت مصاحبین خدا میں حاضر تھا کہ ایک نجومی آیا اور کہا کہ "گردش کواکب و انجم سے یہ بات آشکارا ہے کہ سنہ ۷۳۶ھ میں تمہارے صلب سے فاتح عالم پیدا ہوگا۔

آواز :۔

از احکام ہفت اختر آمد پدید   کہ دنیا بدو داد خواہد کلید

تیمور آج بیس سال کا ہوگیا، مغل دستور کے مطابق اب بالغ ہے۔ باپ اکثر کاموں سے دست بردار ہوا اور انتظامات بیٹے کے ہاتھ میں دے دیے۔

مدبر ہے تدبیریں کر رہا ہے، مصلح ہے اصلاح کے طریقے سوچ رہا ہے۔

قسّام ازل نے تنظیمی قابلیت قسمت فرمائی ہے۔ غلاموں کو اٹھارہ اٹھارہ کی ٹولیوں میں تقسیم کیا۔ ایک کو عون باشی (Aun Bashy) خطاب دے مقتدر بنایا۔ بیس بیس گھوڑوں کو ایک ایک طویلے، سو سو اونٹوں کو ایک ایک قطار اور ہزار ہزار بھیڑوں کو ایک ایک گلے میں منقسم کر ایک ایک غلام گلہ بان اور طویلہ دار قرار پایا

اور منافع میں شریک۔

زینت دہ دینِ حقیقی حضرت زین العابدین صاحب بیٹھے تلاوتِ قرآنِ پاک فرما رہے ہیں۔ معتقدین قطب الاقطاب کے گرد حالہ وار جمع۔ تیمور مریخِ فلک سپہ گری، علم بردارِ کشورِ قلندری کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ اُس وقت زبانِ مبارک پر یہ آیتِ کریمہ ہوتی ہے غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ۔ بعد تلاوت تیمور کی طرف نظر کی اور فرمایا "فالِ نیک ہے۔ 'ض' کے اعداد آٹھ سو ہوتے ہیں۔ تو انشاء العزیز اس سن میں اناطولیہ فتح کرے گا۔" اپنی تہ بند اُس کی کمر سے باندھی اور سرِ مبارک کی ٹوپی سے سرفراز فرمایا۔ ایک عقیق یمن عطا ہوا جس پر کندہ تھا 'راستی رُستی'۔ تیمور شادکام اس حلقے سے باہر آیا شکر خدا بجا لایا اور عہد کیا کہ کبھی کسی جان دار کو بلا وجہ اذیت نہیں پہنچائے گا۔

تیمور سر جھکائے کسی سوچ میں مستغرق ٹہل رہا ہے، نظر زمین پر ہے اور دماغ مشغولِ تفکر۔ ایک چیونٹی پر پاؤں پڑ گیا۔ تیمور پر

فالج سا گر گیا، سکتے کے عالم میں کھڑا اُس جسدِ بے جان کو دیکھ رہا ہے۔ اپنا عہد یاد آ گیا۔ تیمور سر سے پاؤں تک تھرّا گیا۔ بہادر ہے لیکن رحم دل۔

آواز :۔ ترحم اور دلیری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بہادر کبھی ظالم نہیں ہوتا۔ سپاہی جان دیتا ہے، جان لیتا ہے۔ ظلم روا نہیں رکھتا۔ ظالم ہمیشہ بُزدل ہوتا ہے۔

۷۵۷ھ مطابق ۱۳۵۷ء عراق کی فوج ماورالنہر پر حملہ آور ہوئی۔ مالِ یغما لے واپس جا رہی ہے۔ تیمور اکیس[21] سال کا ہے اور امیر قزغن (Kurgan) کے دربار میں حاضر۔ حکم پاتے ہی ایک دستہ فوج لے عراقیوں کا تعاقب کیا۔ وہ بھی نبرد آزما تھے۔ سپاہ کے دو حصے کئے۔ ایک کو مال کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور دوسرا لڑنے پر کمربستہ ہوا۔

تیمور اپنے دستے کو منظم طریقے پر لا رہا ہے۔ ہمراہی مشورہ دیتے ہیں کہ جہاں مال ہے وہاں ہاتھ مارنا چاہیے۔ تیمور اس رائے کو رد کر دیتا ہے اور اُس گروہ سے جا بھڑتا ہے جو لڑنے پر آمادہ ہے۔

دو دار میں عراقی پسپا ہو گئے۔ مالِ یغما چھوڑ، جان غنیمت جان،
بھاگ نکلے۔
آواز:۔ تیمور جنگ جو ہے طامع نہیں۔

امیر قزغن (Kurgan) کے دربار میں ہرات سے وفد
آیا ہے۔ ایک شخص آگے بڑھتا اور عرض حال کی اجازت چاہتا
ہے۔

"آپ کی تنبیہ کے باوجود ہم ہدف مظالم ہو رہے ہیں، جان
مامون ہے نہ مال محفوظ، حتّٰی کہ عزت و حرمت بھی کوتاہ بینوں کی
دراز دستیوں کا شکار ہے۔"

ہماری حمایت میں جو پروانہ اس بارگاہ سے صادر ہوا تھا
وجہ عتاب ہوا جیسے گرم توے پر چھینٹا پڑ جائے۔ اس آتشِ عتاب
کو سیلابِ افواج ہی فسردہ کر سکتا ہے۔
دستِ طلب لے کر آئے ہیں، خالی ہاتھ نہ جائیں گے۔ ہزاروں
مظلوموں کی امیدیں وابستہ ہیں ان کو کیا منہ دکھائیں گے۔
ملک میں ابتری ہے۔ رعایا برافروختہ خاطر، فوج پُر دل، امیر

غریب بغاوت پر آمادہ۔ نفسا نفسی کا بازار گرم ہے۔ موقع ہے وقت ہے۔ کارِ ثواب ہے۔ ستم رسیدہ کی امداد ہے۔

ہم سب خانہ زاد۔ اور ہزاروں کی تعداد میں ہمارے ساتھ خدمت پر کمر بستہ۔ اِدھر سے آپ حملہ آور ہوں اُدھر سے ہم شورش بپا کریں۔

عرض داشت سُن واپس کر دیا۔

امیر قزغن نے تیمور سے مشورہ کیا اور کہا "فوج تو جمع کر لی ہے لیکن نشیب و فراز سوچ رہا ہوں۔" تیمور نے جواب دیا "اونچ نیچ افواج طلب کرنے سے پہلے سوچنی چاہیئے تھی۔ اب لیت و لعل کمزوری پر محمول کیا جائے گا۔ کوشش میں کامیابی ہے۔ بہرحال سپاہ کا پیٹ پلے گا۔ مال یقیناً ہاتھ لگے گا۔"

امیر قزغن تیمور کی صلاح مان گیا اور ایک ہزار سوار اس کے حوالے کیئے۔

میدانِ جنگ میں زاغ و زغن کا پیٹ پالنے والا، لبِ سوفار کی پیاس بجھانے والا، شیر دل شیر مرد دسترخوان پر مہمانوں

کے ساتھ بیٹھا ہے۔ ایک ہزار سوار جو مہم سر کرنے کے لئے ملے ہیں ان میں سے تھوڑے تھوڑے روز بلاتا ہے۔ ساتھ کھانا کھلاتا ہے، تاکہ یہ ان کو سمجھ جائے اور وہ اس سے مانوس ہو جائیں۔

اکثر قبائل مال یغما کی طمع میں جمع ہو کر آئے تھے اُن کو ساتھ لیا، منظم کیا اور طائرِ اقبال تیموری آبِ مرغ آب عبور کر حرات کے قریب پہاڑوں پر جا اُترا۔

شمشیرِ شجاعت کو آبِ تدبیر سے آب دینے والا شجاع، امیر قزغن کو نقشۂ جنگ دکھا رہا ہے۔ امیر نے داد دی اور کہا "سورج ہماری پشت پر ہوگا اور مقابل کے مقابل، آنکھیں خیرہ کر دے گا۔"

امیر قزغن اور تیمور گھوڑوں پر سوار میدان جنگ میں کھڑے ہیں۔ تیمور نے افواج کو قلب یمین و یسار میں آراستہ کیا ہے۔ سامنے دیوار ہے۔ اس کے پیچھے سے مخالف سپاہ نکلی۔ امیر نے دیکھ کر کہا " نظام صحیح نہیں ہے۔ فتح ہماری ہوگی۔ تیمور نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ آہستہ آہستہ منظم طریقے پر پیچھے ہٹے۔ یہ دیکھ دشمنوں کی ہمت بڑھی اور وہ آگے بڑھے۔ اب حملے کا حکم

ہوا۔ قلب کی فوج دشمن سے دست و گریباں ہوئی۔ یمین و یسار کو حکم صادر ہوا وہ جا پڑے۔ مخالف تاب نہ لا سکے۔ پسپا ہوئے اور دیوار کے پیچھے پناہ گزیں۔ حملہ آوروں نے مہلت نہ دی۔ چھاپا مارا۔ دشمن کو میدان چھوڑتے بن پڑی اور شہر میں قلعہ بند ہوئے افواجِ تیموری نے محاصرہ کر لیا۔ خورونوش بند، راہ آمدورفت مسدود، باشندہ تباہ حال، فوج پراگندہ احوال۔

باشندگانِ ہرات ان حالات سے تنگ آ کر وفد بنا کر امیر کے سامنے حاضر ہوئے، عجائب و غرائب اور بیش بہا تحائف پیش کش کئے اور رحم کے ملتجی ہوئے۔ عرض کی کہ بغیر آب زندگی عذاب ہے، تمام جان دار ماہیِ بے آب کی مانند بے تاب ہیں۔ خدارا رحم کیجئے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ایک ماہ کے بعد ملک حسین شرف قدم بوسی حاصل کرے گا۔

امیر قزغن نے اُمرائے تیز رائے سے مشورہ کر محاصرہ اٹھا لیا اور تحائف تقسیم کر دیئے۔ تیمور کو ایک ہزار سوار دے مسلط کر دیا۔

تیمور کام کرنے والا، پیلانِ مست و شیرہائے نر کو رام کرنے والا، عالمِ عمل میں نام کرنے والا، نقل و حرکت کا عادی اس جمود و سکوت

سے گھبرا گیا۔ برق فطرت ایک جگہ قرار نہ پاکر صائقہ کی مانند اپنے گنتی کے سوار لے باختر پر بے خطر ٹوٹ پڑا اور خراسان کے اُس علاقے کو اپنے قبضے میں لے آیا۔

دل جنگ جو، روح سکون کی طالب۔ تیمور نبرد آزمائی معرکہ آرائی کے بعد قطب الاقطاب شاہ زین الدین کے روبرو حاضر ہے۔ سردارِ عالمِ مجاز سرکردۂ عالمِ حقیقت کے سامنے سرنگوں بیٹھا کچھ کہہ رہا ہے۔
تیمور :۔ قزغن کج رائے، کوتاہ بیں اور دل کا کمزور ہے۔ خراسان کے اکثر علاقے میں نے خدا کی عنایت سے فتح کئے ہیں۔
چاہتا ہوں کہ بلا مداخلت غیرے ان کا حاکم بن جاؤں۔
جواب ملا "نماز میں پابندیِ وقت کا خیال رکھنا، مشکل میں خدا، رسولِ خدا اور آلِ رسول سے مدد چاہنا"۔ پھر ارشاد ہوا "حضرت علی (حیدرِ کرّار) نے ایک اپنے معتمد کو تمھاری حمایت پر مقرر کر دیا ہے۔ اوّل اوّل تمھارے درمیان حجاب رہے گا۔

تیمور شادان و فرحاں حرات واپس ہوا۔ ملک حسین کی جانب

سے پیغام ملا کہ اس کی فوج بغاوت پر آمادہ' اس کے قتل پر کمر بستہ اور ملک باقر کو سردار بنانے پر تیار ہے۔ تیمور سپاہ کے ساتھ آگے بڑھا۔ ملک حسین اپنی فوج لے مقابل آیا۔ تیمور مشتبہ ہوا' زرہ پہن کر تیار ہوگیا۔ اتنے میں ملک حسین چند معتمدین کے ہمراہ بہت کچھ مال و منال لے تیمور سے آملا۔ دونوں امیر قزغن کی جانب روانہ ہوئے۔ امیر نے اطلاع پاتے ہی اپنے لڑکے کو پیشوائی کے واسطے بھیجا اور رسم انتہائے مہماں نوازی سے پیش آیا۔ تیمور کو گلے لگایا اور کہا "نَوَّرَاللّٰہُ وُجُوْھَکُمْ"۔

ملک حسین کے خزائن دیکھ اہلِ قبیلہ میں ہوا و ہوس کی آگ بھڑک اٹھی اور دندان آز تیز کرنے لگے۔ امیر نے تیمور سے کہا کہ ملک حسین کو تم یہاں لائے ہو۔ اس کی حفاظت تمھارا فرض ہے۔ فرض شناس تیمور راتوں رات پوشیدہ طور پر ملک کو اپنے ڈیرے میں لایا اور صبح شکار کا بہانہ کر روانہ ہوگیا۔ کنارِ آب مرغاب پر امیر قزغن اور ملک حسین بغل گیر ہو معاہدۂ دوستی مستحکم کر جدا ہوئے۔

راہ میں اطلاع ملی کہ ملک باقر سردارانِ غور اور افواج خراسان کی مدد سے ہرات پر تسلط پا گیا ہے۔ ملک حسین اس خبر وحشت اثر کے اثر سے سخت مایوس اور دل برداشتہ ہوگیا۔ تیمور سے مشورہ طلب کیا۔

مردِ میداں نے مردانہ صلاح دی۔ کہا "کمرِ ہمت باندھ، تیغِ شجاعت ہاتھ میں لے خون کے سمندر میں کود پڑ۔ کامیاب نکلا تو کامراں ہو گا ورنہ قضیۂ تاج و تخت ختم۔
آواز :۔ حصولِ عزت کے لئے مرنا ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

امیر قزغن کے دروازے پر منافق امرا کپڑوں کے نیچے زرہیں پہنے، دوستی کے پہلو میں دشمنی کا خنجر لگائے، صلح و آشتی کی نیام میں کینہ و بغض کی تلوار چھپائے کھڑے ہیں۔ امیر نے تیمور کو طلب کیا۔ یہ مدبّر سپاہی اس وقت بائیں برس کا ہے۔ تدبیر بزرگانہ سے کام لیا۔ امرا کو پیغام دیا کہ امیر کی طبیعت ناساز ہے اور وہ فرائض مہمان نوازی سے معذور۔ وقت ٹل گیا۔ دوسرے روز زرِ کثیر بطور ہدیہ بھیجا۔ چال چل گئی۔ تیمور کی قسمت یاور تھی۔ امرا میں تقسیم مال پر پھوٹ پڑ گئی۔
آواز :۔ مغلوں میں تدبر بھی تھا تہوّر بھی۔ یہی کامیابی کا راز ہے۔

امیر قزغن نے شکار کا اعلان کیا ہے۔ امرا تیاریاں کر رہے ہیں۔ قتلغ تیمور خاں (Kutluq Timur Khan) قزغن کا داماد اپنے

ڈیرے میں چند ساتھیوں کے ساتھ مشورہ کر رہا ہے۔

قتلغ تیمور: ۔ یہ موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔ اگر اس وقت کام نہ کر گئے تو ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ امیر کے ساتھ صرف تیمور اور میر شکار ہوں گے۔ اس سے بہتر موقع پھر نہیں ملے گا۔

رات کو سات سوار امیر قزغن پر حملہ آور ہوئے۔ تیمور تاریکی میں آوازیں سن شیر کی طرح دھاڑتا ان بھیڑوں پر جا پڑا۔ دوسری جانب سے میر شکار کودا۔ قزغن نے ایک چٹان کے پیچھے پناہ لی۔ حملہ آور بھاگ نکلے۔

بھید کھلا کہ داماد مار آستین خون کا پیاسا نکلا۔ تلاش کی پر ہاتھ نہ آیا۔ ماوراء النہر کے کوہستانی علاقے میں قطاع الطریق بن گیا۔

کچھ عرصے بعد صاحبزادی میاں کی مفارقت میں دیوانی بن گئیں۔ امیر قزغن جو بھولا، رحم دل اور ایک حد تک زن مرید تھا عورتوں کی باتوں میں آگیا۔ تیمور کی بات نہ مانی۔ قتلغ تیمور خاں کو معاف کر واپس بلا لیا اور انجام کار اس نابکار کا شکار ہوا۔

آواز: ۔ تدبر صراط مستقیم سے بھٹکا اور سازش کی شکل اختیار کی۔

تیمور چوبیس سال کا ہے۔ سرتاج دار کے قصاص کا ارادہ سر میں لئے بایان سلدوز (Byan Saldoz) کے پاس آیا ہے۔
صاف دل، پاک طینت، راست باز تیمور نے اپنی سپاہ برادرانہ طریق پہ آدھی بایان سلدوز کے حوالے کر دی۔ بعدۂ حاجی برلاس کو بھی شریک کار بنایا تا کہ قتلغ تیمور خاں کیفرِ کردار کو پہنچے۔ نیک نیت تھا غداروں قاتلوں پہ غالب آیا۔ حکومت ماوراء النہر برابر کے تین حصّوں میں تقسیم کر لی۔ تیمور کیش اور اس کے متعلقہ علاقوں پہ قابض ہوا۔

انجام کار بیان سلدوز کثرت شراب خواری سے اچانک جاں بحق تسلیم ہوا۔ تیمور نے حاجی برلاس سے دریافت کیا کہ مرحوم کا ترکہ آپس میں تقسیم کر لیں یا اس کے لڑکے کو وارث قرار دیں جو زیادہ قرین مصلحت ہے۔
حاجی برلاس نے متوفی کے علاقے پہ چھاپا مارا اور خانہ جنگی شروع ہوئی۔
اس وقت ایلچی بوغا سلدوز (Elchy Bugha Saldug) نے بلخ میں پرچم شاہی لہرا رکھا تھا اور امیر بایزید جلائیر (Amyr

خجند پر قابض - خواجہ ایزدی (Baezd Jelayr) (Khuaja Ayzdy) نے شمر غنات (Shumer Ghanat)
پر تسلط کر لیا تھا - شاہانِ بدخشاں وہاں کے کوہتانی علاقے میں
مصروفِ جنگ و جدال تھے - ہے خسرو (Hy Khusro)
اور التاجا بردی (Altaja Bardy) اوہنگ اور فقتیلان کو
دبا بیٹھے تھے - خضر یسوری کے قبضے میں تاشقند کے پُل سے
سمرقند کے گرد و نواح تک تھا -

تیمور کو ایسے نبرد آزما آزمودہ کار مرد میدانوں سے بازی
لے جانا مشکل نہیں ناممکن نظر آیا - سیاستِ عملی سے کام لیا - ایک کو
دوسرے سے بھڑا دیا اور خود بیٹھا تماشا دیکھتا رہا -

ایلچی بوغا کو لکھا کہ بدخشاں کے باشندے اپنے حکام سے
نالاں ہیں اور مجھ سے پیغام و سلام کر رہے ہیں - کیا تم میرے ساتھ
مل کر ان کی مدد کرو گے - میرا ارادہ بہرحال مظلوم کی حمایت کا ہے -
یہ خبر پا ایلچی بوغا نے بدخشاں پر چڑھائی کر دی اور وہاں کے تاج دار
تیمور سے آن ملے -

حاجی یزدی حاکم شمر غان کو لکھا کہ صوبہ بلخ بغیر حاکم پڑا ہے -

ہیں نے فوجیں روانہ کی ہیں۔ کیا تم شریک ہونا چاہتے ہو۔ یہ خبر سنتے ہی اس کی آتش ہوس بھڑک اٹھی اور بلخ پر چڑھ دوڑا۔ سلدوز یہ اطلاع پاتے ہی بلخ واپس آیا۔

غرضکہ تیمور نے چال کا جال پھیلا دیا۔ حکمت عملی، تدبّر اور سازش کو کام میں لاکر سب کو اپنا گنونڈہ کر لیا۔

تیمور پچیس سال کا ہے۔ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ چکا ہے۔
ظلِ سبحانی پر تو فگن ہے۔ تختِ ماوراالنہر پہ جلوہ افروز ہے۔
جو سر کہ درخورِ تاجِ سروری تھا آج اس سے سرفراز ہے۔

آواز:۔ اس کامیابی میں سازش کی آمیزش ہے۔ خدا خیر کرے نسلِ تیمور خاندانی سازشوں کا شکار ہو گی۔
